سوانح

حضرت مسلمِ ابنِ عقیل علیہ السلام

مصنّف

زبدۃ العلما سیّد آغا مہدی لکھنوی

50/-

سوانح

حضرت مُسلِم ابنِ عقیل علیہ السلام

C1-۸

مصنّف

زبدۃ العلماء سیّد آغا مہدی لکھنوی

C1-۸

ناشر

رحمت اللہ بُک ایجنسی

بالمقابل بڑا امام بارگاہ، کھارادر، کراچی ۷۴۰۰۰

فون 2431577

ہدیہ: [redacted] روپے

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	قومی جرائد کی رائیں	۶	۲۰	پیدائش اور حلیہ	۳۵
۲	کتاب کے مصادر	۸	۲۱	نام اور لقب	۳۵
۳	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	۱۱	۲۲	والدین	۳۶
۴	تمہید	۱۱	۲۳	والد ماجد	۳۶
۵	پہلا مقدمہ عقیلؑ	۱۲	۲۴	اسیری اور اسلام	۳۷
۶	دوسرا مقدمہ کوفہ	۱۴	۲۵	علمی کمالات	۳۷
۷	مسجد کوفہ	۱۶	۲۶	حسد کی وجہ	۳۸
۸	نقل مسجد کوفہ	۱۹	۲۷	عقیلؑ پیغمبر خداؐ کی نظر میں	۳۸
۹	تیسرا مقدمہ قاضی شریح	۲۰	۲۸	بھائی سے ناجائز مطالبات	۳۹
۱۰	قاضی شریک بن عبداللہ	۲۳	۲۹	عقیل دربارِ معاویہ میں	۳۹
۱۱	چوتھا مقدمہ ہانی بن عروہؒ	۲۴	۳۰	دربار میں عقیلؑ کے زلزلہ	
۱۲	پانچواں مقدمہ طوعہؒ	۲۵		افگن جوابات	۴۰
۱۳	چھٹا مقدمہ سلسلہ نسب	۲۶	۳۱	تہی دستی	۴۱
۱۴	ساتواں مقدمہ اولاد مسلمؑ	۲۶	۳۲	عقیلؑ کو سزائے سخت	۴۲
۱۵	شب عاشور فرزندانِ مسلمؑ	۳۲	۳۳	وفاتِ عقیلؑ	۴۳
	کا جذبہ		۳۴	حضرت عقیلؑ کا آخری مرتبہ	۴۴
۱۶	عبیداللہ بن مسلمؑ	۳۲	۳۵	خاندان پر صدقہ حرام ہے	۴۳
۱۷	محمد بن مسلمؑ	۳۳	۳۶	نسل و خاندان	۴۴
۱۸	دختر مسلمؑ	۳۴	۳۷	حضرت مسلمؑ کی ماں	۴۵
۱۹	حضرت مسلمؑ کا تعارف	۳۵	۳۸	خاندانِ مسلمؑ کے مشہور افراد	۵۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۹	حضرت اُم ہانیؓ	۵۱
۴۰	افسانہ خواستگاری رسولؐ	۵۱
۴۱	رسولؐ کی نظر میں احترام	۵۲
۴۲	علم و عمل	۵۲
۴۳	اقتادِ طبیعت	۵۲
۴۴	اُم ہانیؓ کی شجاعت	۵۳
۴۵	وفاتِ اُم ہانیؓ	۵۴
۴۶	پرورشِ مسلم بن عقیلؑ	۵۴
۴۷	ذاتی اوصاف	۵۴
۴۸	زُہد	۵۵
۴۹	عبادت	۵۵
۵۰	شجاعت	۵۵
۵۱	جہاد	۵۶
۵۲	شادی	۵۷
۵۳	دربارِ معاویہ میں مسلمؑ کی سخت گفتگو	۵۸
۵۴	واقعاتِ زندگی	۵۹
۵۵	حضرت مسلمؑ اور کوفہ کا سفر	۶۱
۵۶	انتخابِ مسلمؑ کا راز	۶۲
۵۷	کربلا میں نظر رکھنے کے علل و اسباب	۶۳
۵۸	حسینؑ کا خط اہلِ کوفہ کے نام	۶۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۹	روانگی مسلمؑ	۶۶
۶۰	سفر میں پہلا شگونِ بد	۶۶
۶۱	دوسرا شگونِ بد	۶۷
۶۲	خط کا مضمون	۶۸
۶۳	کوفہ میں داخلہ	۶۹
۶۴	بصرہ میں حسینؑ پیغام	۷۰
۶۵	پہلی قربانی نامہ بر کا قتل	۷۳
۶۶	حضرت مسلمؑ کے مشکلات	۷۴
۶۷	ابن زیاد لعہ کا بصرہ سے تبادلہ	۷۴
۶۸	ابن زیاد لعہ کوفہ میں	۷۶
۶۹	نقل مکان اور ہانیؓ کی میزبانی	۷۸
۷۰	ابن زیاد لعہ کے قتل سے مسلمؑ کا انکار	۸۱
۷۱	مسلمؑ حضرت یوسفؑ کی منزل پر	۸۲
۷۲	شریک بن اعور کی وفات	۸۴
۷۳	تلاشِ مسلمؑ میں حکومت کوفہ کا جاسوس	۸۴
۷۴	ہانیؓ کی المناک گرفتاری	۸۶
۷۵	ہانیؓ کی جنگ اور دشمن کے نقصانات	۸۹
۷۶	قصر ابن زیاد لعہ پر ہجوم	۹۱
۷۷	حضرت مسلمؑ کا خروج	۹۳
۷۸	گرفتاریاں	۹۶
۷۹	بیعت شکنی کا آخری منظر	۹۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۸۰	محمد بن کثیرؒ کی میزبانی	۹۸
۸۱	محمد بن کثیرؒ کی مدافعانہ جنگ	۹۸
۸۲	ضعیف العمر عورت کی میزبانی	۱۰۰
۸۳	طوعہؒ کا گھر اور آخری آرامگاہ	۱۰۱
۸۴	ابن زیاد کا خطبہ اور گرفتاری پر انعام	۱۰۳
۸۵	حضرت مسلمؑ کی گرفتاری کا سامان	۱۰۶
۸۶	شیر گرسنہ کی جنگ	۱۰۷
۸۷	پہلوان کی لڑائی	۱۱۰
۸۸	اسیری اور زندگی کے آخری لمحات	۱۱۲
۸۹	شہادتِ مسلمؑ	۱۱۹
۹۰	مرثیہ	۱۲۰
۹۱	ہانیؒ کی شہادت	۱۲۱
۹۲	پانچویں اور چھٹی قربانی	۱۲۲
۹۳	گرفتاریاں	۱۲۳
۹۴	سرِ مسلمؑ یزید کے سامنے	۱۲۴
۹۵	شہادتِ مسلمؑ کے بعد کیا ہوا؟	۱۲۵
۹۶	ساتویں قربانی	۱۲۶
۹۷	آٹھویں قربانی	۱۲۸
۹۸	اولادِ مسلمؑ	۱۳۳
۹۹	عبداللہ بن مسلمؑ	۱۳۳
۱۰۰	محمد بن مسلمؑ	۱۳۵
۱۰۱	قبر	۱۳۶
۱۰۲	باب المراثی	۱۳۶
۱۰۳	طفلانِ مسلمؑ کی شہادت	۱۳۸
۱۰۴	نویں قربانی	۱۳۹
۱۰۵	دسویں قربانی	۱۴۴
۱۰۶	باب المراثی	۱۴۹
۱۰۷	روضہ	۱۵۰
۱۰۸	کرامات	۱۵۰
۱۰۹	نقل روضہ	۱۵۱
۱۱۰	تابوت	۱۵۲
۱۱۱	حضرت مسلمؑ کی تعلیمات	۱۵۲
۱۱۲	حضرت مسلمؑ کے پسماندگان	۱۵۶
۱۱۳	مقتولین کی فہرست	۱۵۷
۱۱۴	مدیر اودھ پنچ لکھنؤ کے تاثرات	۱۵۷
۱۱۵	علامہ کنتوری کے تاثرات	۱۶۰
۱۱۶	ریگزارِ مصر میں شجاعتِ مسلمؑ کے جوہر	۱۶۲
۱۱۷	حضرت امیر المومنینؑ کا ایک اشارہ	۱۶۸
۱۱۸	آدابِ زیارت	۱۶۹
۱۱۹	باب المراثی	۱۷۳
۱۲۰	منظوم سوانح حضرت مسلمؑ	۱۷۵

طبع اوّل پر قومی جرائد کی رائیں

اخبار رضا کار لاہور

اس وقت ہمارے پیشِ نظر خدام عزا کا چودھواں رسالہ سرکار شہادت حضرت امام حسین ؑ کے وفادار ایلچی حضرت مسلم بن عقیل ؑ کی سوانح عمری ہے جو شیعہ قوم کے سحر نگار مصنف مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ رضوی مدیر "الواعظ" کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے مولانائے محترم متعدد کتابوں کے مصنف اور ایک خاموش دینی مبلّغ ہیں۔ آپ عرصہ سے کوشش فرما رہے ہیں کہ شہدائے کربلاؑ کی سیرت دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیئے اختصار کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سوانح عمریاں مرتّب کی جائیں۔ چنانچہ زیر نظر رسالہ بھی اسی سلسلۂ عالیہ کی ایک کڑی ہے۔ جس میں عام فہم، سادہ اور دلکش پیرایہ میں واقعۂ کربلا کے پہلے شہید جناب مسلم ؑ کی حیات طیبّہ کے حالات قلمبند کیئے گئے ہیں اور کوشش کی گئی ہے کہ حضرت مسلم ؑ کے جملہ حالات پر بصیرہ حاصل تبصرہ کیا جائے۔ لہٰذا ہم بلا خوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ مولانائے محترم اس میں ایک حد تک کامیاب رہے ہیں جس کے لئے وہ قابل ستائش ہیں۔ ہم افرادِ قوم سے پُر زور سفارش کرتے ہیں کہ وہ مولانائے محترم کی ہمت افزائی کرتے ہوئے حضرت مسلم ؑ کی مقدّس زندگی کا مطالعہ کر کے اپنے اندر جذبۂ فداکاری اور وفاداری پیدا کرنے کی کوشش کریں کیونکہ شہدائے کربلاؑ کی زندگی ایک بہترین شاہراہِ عمل ہے۔

رضا کار لاہور۔ ۸ جون ۱۹۴۶ء

(اطلاع) رسالہ مسلم ریویو بابت ماہ اکتوبر ۱۹۴۶ء میں صفحہ ۵۶ پر قدیم ہندوستان کے سب سے بڑے اہل قلم الیس امیر علی معصومی ایم اے بی ایل ایف ٹی الیس، ایف او آر الیس ایم جی ایل لندن کا تبصرہ انگریزی زبان میں قابلِ دید ہے۔

اخبار سرفراز قومی گھر لکھنؤ

جناب مولانا سیّد آغا مہدی صاحب قبلہ کی ذاتِ گرامی بحیثیت مصنف و صاحبِ قلم کے محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ ممدوح نے بہت سے مفید رسالے اور علمی مضامین تحریر فرما کر قابلِ قدر علمی خدمات انجام دی ہیں۔ فی الحال ہمارے سامنے آپ کی ایک اور کتاب سوانح عمری حضرت مسلم بن عقیلؑ موجود ہے۔ تالیف و تصنیف کی دشواریوں پر نظر رکھتے ہوئے یہ کتاب بھی بہت مفید اور دلچسپ ہے۔ موصوف نے ابتداء میں چھ مختصر مقدمات درج کئے ہیں جن میں مندرجہ ذیل تذکرے ہیں۔ کوفہ، مسجد کوفہ، قاضی شریح، حضرت ہانی بن عروہؓ، طوعہؒ، سلسلہ نسب۔ یہ تمام مقدمات بہت دلچسپ ہیں اس کے بعد اصل کتاب کے مضامین ہیں جو بہت جستجو اور صحت سے مہیا کئے گئے ہیں مجموعی حیثیت سے کتاب قابلِ مطالعہ ہے۔ بعض مقامات پر مصنف کی دُور رس نگاہوں نے نہایت عمدہ استنباط کیا ہے۔ ایک خاص بات کتاب سے اور ظاہر ہوتی ہے یعنی مصنف کے قوتِ مشاہدہ کی مثال میں وہ شعر پیش کیا جا سکتا ہے جو مسجد کوفہ میں پیتل کے کٹہرے پر درج ہے اور مؤلف نے اس کو تحریر کیا ہے یا روضۂ جنابِ مسلمؑ پر جو عبارت اور اشعار درج ہیں ان کا اندراج کتاب کی دلچسپی کو اور زیادہ کرتا ہے۔

آخر میں چند باتوں پر جناب مصنّف کو توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کا خیال رہے (۱) ولادت جنابِ مسلمؑ کے متعلق تحریر ہے کہ رسول عربیؐ کا دور ختم ہونے کے بعد عہد حضرت امیرؑ میں پیدا ہوئے۔ یہاں تحقیق کو قدم آگے بڑھانا چاہیئے تاکہ اجمال دفع ہو سکے (۲) حوالے مفصلاً ہونا چاہیئں تاکہ نگاہ تجسس اصل ماخذوں میں آسانی سے مضامین کو تلاش کر سکے۔

"سرفراز" ہفتہ وار ۱۱ر جون ۱۹۵۸ء

معروضہ

پہلا مشورہ مدیر محترم کا یقیناً قابلِ توجہ ہے مگر ۲۶ سال کے بعد طبع دویم کی نوبت خدا لا رہا ہے۔ ابھی تک جو تفصیل دریافت نہیں ہوئی اس پر قلم اٹھانے کے لئے تیار نہیں اور اختراع کی عادت نہیں۔

دوسری تجویز کی حتی الوسع تعمیل کی ہے اور حوالوں میں تفصیل انشاءاللہ آپ پائیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ وھو حسبی ونعم الوکیل۔

مصنف

کتاب کے مصادر

۱۔ ارشاد شیخ مفید علیہ الرحمہ عربی

۱۔ ارشادیہ چودھویں رات کا چاند از تاج العلماءؒ اردو

۳۔ اتحاف اہل اسلام طبع ۱۸۹۷ء مطلع الانوار

۴۔ ادب المفرد محمد بن اسماعیل بخاری طبع قاہرہ ۱۳۷۵ھ

۵۔ ارجح المطالب عبید اللہ بسمل امرتسری

۶۔ اصابہ فی تمیز الصحابہ ابن حجر مکی

۷۔ البحر المحیط تفسیر ابن حیان اندلسی عربی۔ طبع مصر

۸۔ بحار الانوار جلد دہم علامہ مجلسیؒ

۹۔ تاریخ ابن دردی زین الدین ابن عمر عربی۔ طبع مصر

۱۰۔ تاریخ الامم والملوک ابو جریر طبری

۱۱۔ تصحیح النظر فی توضیح نخبۃ الفکر مولوی محمد حسین ہزاروی۔

۱۲۔ تاریخ الکامل ابن اثیر جذری عربی

۱۳۔ تذکرۃ خواص الامہ عربی سبط
ابن جوزی
۱۴۔ تنزیہ الانساب اردو۔
مولوی ماہ عالم طبع ۱۹۱۹ء
۱۵۔ تنقیح المقال علامہ مامقانی
عربی۔ طبع نجف
۱۶۔ جامع الاخبار محمد بن محمد علیہ الرحمہ
۱۷۔ جامع البیان تفسیر ابوجریر طبری
چھاپ مصر۔
۱۸۔ جلاء العیون علامہ سید محمد باقر
مجلسی ۔ فارسی
۱۹۔ حدیقۃ الاقالیم مرتضیٰ حسین
عثمانی ـــ اردو
۲۰۔ حیات القلوب ۔ مجلسیؒ
۲۱۔ ذکر الشہید علیہ الرحمہ
۲۲۔ ذخیرہ رستگاری مولانا سید
علی اکبر خلف سلطان العلماءؒ اردو
۲۳۔ ربیع الابرار زمخشری ۔
عربی ـــ طبع مصر
۲۴۔ ریاض الجنان فی نیل مشتہی الجنان
مولوی اشرف علی ۔ عربی ۔ طبع ۱۲۷۷ھ

۲۵۔ ریاض المصائب مولوی محمد مہدی
ابن محمد جعفر۔ عربی۔ طبع ایران
۲۶۔ روضہ بہیہ شرح لمعہ (دمشقیہ)
شہید ثانیؒ
۲۷۔ شیون و شین مرزا ابندو بیگ مضطر
طبع گلزار محمدی
۲۸۔ صواعق محرقہ۔ ابن حجر مکی۔ عربی
۲۹۔ ضیاء الابصار مولوی اکبر علی لکھنوی
۳۰۔ طبقات ابن سعد
۳۱۔ عروۃ الوثقیٰ ۔ سید کاظم طباطبائی
طبع نجف اشرف
۳۲۔ غایۃ الاوطار ترجمہ اردو در مختار
طبع نولکشور سنہ ۱۸۷۰ء
۳۳۔ غرر الخصائص ابراہیم بن یحییٰ
وطواط طبع مصر۔ عربی۔ ۱۳۱۸ھ
۳۴۔ قاتلانِ حسینؑ کا مذہب
از سید العلماء ـــ اردو
طبع سوئم۔ ۱۹۳۳ء
۳۵۔ مائتین فی مقتل الحسینؑ علامہ کنتوری
۳۶۔ مجمع البحرین فخر الدین بن طریح
عربی ـــ طبع ایران

۳۷۔ مراۃ البلاد ہاشم علی رضوی
مخطوطات مکتبۂ ممتاز العلماءؒ
فارسی
۳۸۔ مجالس المومنین قاضی نور اللہ
شوستری علیہ الرحمہ۔ فارسی
۳۹۔ مستدرک نہج البلاغہ آل
کاشف الغطاء طبع نجف اشرف
عربی ج ۲
۴۰۔ مستطرف شہاب الدین محلی
طبع مصر
۴۱۔ مخطوطات دکن نصیر الدین ہاشمی
۴۲۔ معجم البلدان یاقوت حموی بغدادی
عربی
۴۳۔ مفاتیح الغیب تفسیر کبیر
فخر الدین رازی مکتبۂ ممتاز العلماءؒ
طبع قدیم نسخہ ۔ عربی
۴۴۔ مفاتیح الجنان شیخ عباس قمیؒ
طبع نجف اشرف ۔ فارسی

۴۵۔ مقتل ابی مخنف لوط بن یحییٰ
ازدی۔ طبع بمبئی۔ عربی
۴۶۔ من لا یحضرہ الفقیہ۔ محمد بن
علی بن بابویہ قمی ملقب بہ صدوق
مطبع جعفری لکھنؤ (عربی حدیث)
۴۷۔ مناقب آل ابی طالب۔
ابن شہر آشوب۔ طبع بمبئی۔
عربی
۴۸۔ ناسخ التواریخ سپہر کاشانی
طبع بمبئی ۔ فارسی
۴۹۔ نور العین ابو اسحاق اسفرائنی
۵۰۔ نور العین فی مشہد الحسین
قاضی صبغۃ اللہ۔ عربی
مخطوطات کتب خانۂ آصفیہ دکن
۵۱۔ نور الاخبار فی تاریخ النبی و آلہ الاخیار
مولوی علی نقی حائری فارسی طبع بمبئی
۵۲۔ فتوحات بہنا شیخ علامہ محمد بن محمد
المعز عربی۔ طبع بمبئی ۱۲۸۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔

پالنے والے تو ہی دنیا اور عقبیٰ میں میرا سرپرست ہے مجھے دنیا سے مسلمان اٹھا اور نیکوں میں شامل فرما۔

علمی نقطۂ خیال سے اردو کا مطلع جتنا پیشتر تاریک تھا تقریباً اس قدر اب نہیں ہے اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ شہدائے کربلاؑ کی شخصیت پر جس قسم کا سلسلۂ تالیف میں نے شروع کیا ہے اس کے پڑھنے والے ملک میں کثرت سے نکلیں گے البتہ عمل کرنے والے چند سے زائد نہ ہوں گے لیکن میں اس سلسلہ میں ہرگز شکستہ خاطر نہیں ہوں۔ ہمیں اپنے فرائض کو استقلال اور خاموشی کے ساتھ ادا کرتے رہنا چاہیئے اور اس امر سے بالکل نہ مایوس ہونا چاہیئے کہ قوم سے قوتِ عمل دور ہے اور وہ اپنی اصلی ضروریات پر اب تک مطلع یا کم از کم متوجہ نہیں ہوئی ہے۔

حافظا وظیفہ تو دعا گفتن است و بس
در بند ایں مباش کہ نشنید یا شنید

فقیر باب اہل بیتؑ
آغا مہدی الرضوی
مسجد تحسین چوک لکھنؤ

۲۹ر شوال ۱۳۶۳ھ

تمہید حضرت مسلمؑ کی زندگی یقیناً گنجینۂ معارف ہے وہ اس خاندان سے ہیں جس کے آگے دنیا، عزت، دولت، حکومت کے لیئے موجود رہتی تھی۔ مگر وہ اس کی جانب متوجہ ہونا بھی حرام سمجھتے تھے۔ چچا جس عظمت و طنطنہ کا روحانی فرمانروا تھا اس کا حال کسے نہیں معلوم۔ توارث کے اثر سے دنیاوی زندگی کی وقعت ان کی نظر میں ذرہ برابر بھی باقی نہیں رہی۔ بے ثباتی عالم کا مرقع نظروں کے سامنے تھا۔

انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ مال و متاع کو خیر باد کہہ کر اپنی تمام ہمت اس دولت لازوال کی سعی حصول میں صرف کر دی۔ جس کا نام شہادت ہے۔

واقعۂ کربلا سے پہلے حسینیت کو منضبط کرنے اور کسی خاص نہج پر متعین کرنے کے لیے ایک پیشرو کی ضرورت تھی۔ تلاش شروع ہوئی اور آخر کار نظرِ انتخاب جس پر آکر رُکی وہ مسلمؑ تھے۔ مجھے اسی انسانِ کامل کے حالات پیش کرنے کا فخر حاصل ہوا ہے۔ ان کی شہادت قصرِ ظلم و استبداد کی پہلی خشت تھی۔ وہ اگر قتل نہ ہوتے تو مذہب کا شیرازہ نہ بکھرتا، اسلام کی شان و شوکت حال میں باقی رہتی اور واقعۂ کربلا ظہور میں نہ آتا۔ حضرت آدمؑ سے حضرت خاتمؐ تک ہر دور میں بہت سے سگِ دنیا طالبانِ حقیقت کی وضع میں پھرتے رہے اور دینی تاجداروں نے ان کی نمائشی عظمت کو خاک میں ملایا۔ حضرت مسلمؑ کو بھی کوفہ کے بہائم صفت انسانوں کا سامنا ہوا اور انہوں نے بے سروسامانی اور کس مپرسی کے عالم میں جان دے کر چہرۂ جرائم بے نقاب کر دیا۔ میں نے اس سوانح حیات میں اس مقصد کو شروع کرنے سے پہلے چند مقدمات نذرِ قرطاس کیئے ہیں جن کو بظاہر نفسِ موضوع سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا لیکن عنانِ مطالعہ کو آگے بڑھانے کے بعد واضح ہو گا کہ شخصیت کا تعارف اور شہادت کی عظمت موقوف ہے مقدمات پر۔

عنوان تحریر میں حتی الامکان عربی عبارتوں سے قطع نظر کی ہے اور عیون الفاظ اور حوالوں کو فٹ نوٹ میں اپنے اپنے مقام پر جگہ دی ہے تاکہ پڑھنے والوں کے ذہن کو وحشت نہ ہو۔ مطالعہ کے بعد معلوم ہو گا کہ مسلمؑ حسینیت کے دائرہ سیاست کا مرکزی نقطہ تھے۔ ان کی ذات تقریباً ان تمام صفات کی جامع تھی جن کا مظاہرہ آگے چل کر کربلا والوں نے کیا۔

پہلا مقدمہ عقیلؑ

حضرت علیؑ کے بڑے بھائی تھے۔ یہ نام عرب میں اپنی معنویت کے لحاظ سے کثرت سے لوگوں کا تھا اور عوام و خواص

عقیل نام رکھتے پر ولدیت سے[1] ان کی پہچان تھی ۔میرت علیؑ میں جابجا ان کی یاد اور ذکر ہے جس کا احصا کرنا نہیں ہے بعض خصوصیات پر توجہ مبذول کرنے سے قارئین کتاب کو فائدہ پہنچانا ہے ۔وہ معصومہ عالم فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کی رخصتی کے جلوس میں شریک[1] تھے اور جب بھاوج نے دشمنوں کے مظالم سے اس دنیا کو چھوڑا تو وہ جنازہ میں بھی حاضر[2] تھے۔ان کی رفیق زندگی عقیل بن عبدالرحمٰن خولانی کی بہن بھی تھیں ان کی اولاد کا کربلا میں امام حسینؑ پر قربان ہونا سب سے بڑی خصوصیت تھی اور ان کی نسل واقعہ کربلا کے بعد قطع نہیں ہوئی۔اولاد میں شرف الدولہ مشہور انسان تھے چنانچہ کتاب زہد امیرالمومنین سے طبرسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب مکارم الاخلاق میں صراحت کی ہے کہ شرف الدولہ ان کی نسل سے تھے۔صاحب ابواب الجنان[3] نے ان کی نجابت اور بلند ہمتی کی تعریف کی ہے اور یہ واقعہ نذر قرطاس کیا۔فارسی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہا جاتا ہے کہ شرف الدولہ حضرت عقیلؑ کے خاندان کے امیروں میں تھا۔حسب نسب اور بلند ہمتی سے اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔کسی دن ایک شخص اس کی بزم میں حاضر ہوا اور ساتھ چلا اور اپنی کوئی حاجت پیش کی اور چلتے وقت حاجت مند نے سادگی میں عرض کیا کہ ایھا الامیر لا تنتنی حاجتی ۔سرکار میری ضرورت کو فراموش نہ کیجیے گا۔جواب دیا جب میں تمہارا مطالبہ ادا کردوں گا تو ضرور بھول جاؤں گا۔ یہ کہہ کر اس کی امداد کی"۔یہ جواب کس قدر عاقلانہ تھا۔کسی کو فراموش کرنا مستحسن نہیں ہے مگر اس محل پر یہ یاد نہ رکھنا ہی بہتر ہے۔حضرت عقیلؑ پر چند سطریں سوانح حضرت حرؑ علیہ السلام طبع دوئم میں بھی ہیں ۔

۱؎ مناقب ابن شہرآشوب ۲؎ مناقب ابن شہرآشوب ۳؎ ابواب الجنان صفحہ ۲۶۴

دوسرا مقدمہ کوفہ

یہ عراق عرب کا سب سے پرانا شہر ہے جس کی بنیاد حضرت آدمؑ کے مقدس ہاتھوں سے قائم ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ مسجد کوفہ کو مسجد آدمؑ[1] کہتے ہیں۔ کوفہ نام اس لئے رکھا گیا کہ شہر کی بستی اور عمارتیں مثل دائرہ کے ہیں۔ عرب تکوّف[2] القوم اس وقت کہتے ہیں جب لوگ چاروں طرف سے سمٹ کر آئیں اور گھیرا باندھ کر بیٹھیں۔ حدیث میں ہے کہ جب کوفہ کی بنیاد قائم ہوئی ہے تو تعمیر کا کام کرنے والوں نے کہا تکوفوا فی ھذہ الموضع ای اجتمعوا۔ یہیں ٹھہرو یعنی سب کے سب اکٹھا ہو جاؤ۔ پس اس دن سے یہ نام رکھ دیا گیا۔ کوفہ کہے جانے کا ایک سبب یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ کوفہ لال رنگ کی مٹی کو کہتے ہیں اور یہاں کی زمین سرخی مائل ہے۔ کوفہ ان چار شہروں[3] میں سے ہے جو خلاقِ عالم کی نظرِ انتخاب کے رہینِ منت ہیں۔ اور قرآن مجید میں "طور سینین" کہہ کر جس خطہ کی قسم کھائی ہے وہ کوفہ ہی ہے۔ حدیث میں ہے کہ کوفہ حرم خدا، حرم رسولؐ، حرم امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہم السلام ہے وہاں ایک درہم کسی محتاج کو دینا دوسری جگہ کے سو درہموں کی خیرات کے برابر ہے اور کوفہ کی دو رکعت نماز اجر و ثواب میں سو رکعتوں کے مساوی ہے۔

کلام عرب میں اس شہر کو "کوفان" کے لفظ سے بھی یاد کیا ہے۔ جس میں الف اور نون کی زیادتی ہے۔ جناب امیرؑ کے حکیمانہ خطبہ میں ہے۔ اے[4] کوفان تجھ پر واے ہو کس قدر پاک ہے تیری ہوا اور کتنی سرسبز ہے تیری زمین تجھ سے

---

[1] مراۃ البلاد قلمی کتبخانہ جناب ممتاز العلما وطاب ثراہ۔ [2] مجمع البحرین لغت حدیث [3] مفاتیح الجنان [4] ویحک یا کوفان ما اطیب ھوائک الخ مستدرک نہج البلاغہ صفحہ ۳۲ جلد دویم چھاپہ نجف اشرف

نکلنے والا گناہ لے کر نکلا اور نجف میں آنے والا رحمت لے کر آیا سلسلۂ شبانہ روز ختم نہ ہوگا کہ ہر مومن نجف میں آنے پر تیار ہوگا اور ہر فاسق ٹھہرنے پر گھبرائے گا۔

یہ آبادی غالبًا ظہور حضرت حجتؑ کے زمانہ میں ہونے والی ہے کوفہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ وہ ہمارے امام عصرؑ کا صدر مقام ہونے والا ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے اپنی علم افروز بزم میں یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ ظہور کے موقع پر کوفہ کی آبادی[۱] اس قدر بڑھے گی کہ کربلا کی دونوں نہروں تک کوفہ کے مکانات کا سلسلہ آ جائیگا اگر سڑکوں کے نام یادِ اسلاف کے جذبہ میں نہیں رکھے گئے تو کوفہ میں اب تک وہ آثار موجود ہیں جن کا کبھی یہ شہر حامل تھا۔ چنانچہ "شارع مالک اشترؒ" کوچہ مالک اشترؒ کا نشان آج بھی باقی ہے۔ تمام اہلِ کوفہ کو بے وفا کہنا ہرگز درست نہیں ہے۔ بے وفائی کا تعلق اسی غدار طبقہ سے ہے جس کے ظاہر و باطن میں آسمان و زمین کا فرق تھا اور عہد شکنی جس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا ورنہ اہلِ کوفہ میں ایسی فردیں بھی ہر دور میں رہیں جو پیکرِ وفا تھے۔ میثم تمارؓ، کمیل بن زیادؓ، رشید ہجریؓ سب کوفہ کے رہنے والے تھے اور خاص شہادتِ حسینؑ کے موقع پر کوفہ سے جو مدد پہنچی وہ کسی طرح نظر انداز نہیں ہو سکتی۔ آئندہ کے بیانات سے انشاء اللہ العزیز معلوم ہوگا کہ کوفہ میں کیسے سرفروش موجود تھے۔ اس میں شک نہیں کہ شہادتِ حسینؑ کے بعد کوفہ ویران ہوا اور ان بازاروں میں جہاں کبھی آئینہ بندی تھی صدیوں خاک اڑتی رہی لیکن زمانہ کا انقلابی دَور اب پھر کوفہ میں رونق پیدا کر رہا ہے جو پیش خیمہ ہے ظہور حضرت حجتؑ کا۔ بادیہ نشین عرب تیرہ سو برس پہلے جس دورِ انحطاط سے گذر رہے تھے اس زمانہ

---

[۱] واتصلت بیوت اھل کوفہ بنھری کربلا ارشاد شیخ مفید

میں دیہاں سے

گھروں میں نہ غلّہ نہ جنگل میں کھیتی بجز عرب اور کُل کائنات اس کی یہ تھی

نہ تو صنعت وحرفت کا چرچا تھا نہ کوئی خاص تجارت تھی جو عرب کے سوا دوسرے شہروں میں نہ ہو اس لئے ہم وہاں کی کسی شئے کا نام نہیں جانتے جس کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔ البتہ کوفہ باب مدینہ علم کی منزل تھا اس لئے خط کوفی ایسا مشہور ہوا کہ دنیا کے ہر علم نواز حلقہ میں اس کے کتبے موجود ہیں کوفہ میں مسلمانوں کی مخلوط آبادی تھی اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ تمام اہلِ کوفہ شیعہ تھے خط کوفی حضرت امیر المومنین کی ایجاد ہے[1]۔

مسجد کوفہ مساجد میں خانہ کعبہ کے بعد دنیا کی سب سے قدیم اور قابلِ احترام عمارت مسجد کوفہ ہے جس کی عظمت و امتداد پر فریقین میں اتفاق ہے۔ سُنّی اور شیعہ دونوں فرقوں کی معتبر کتابیں مسجد کوفہ کو انبیاء کرام کا مصلےٰ ثابت کرتی ہیں اور اب تک وہاں بعض انبیاء کی نمازوں کی یادگار قائم ہے۔ پیغمبر خدا نے شبِ معراج اس مسجد کے محاذ میں پہنچ کر نماز پڑھی اور جبرئیل امین نے تعارف میں عرض کیا کہ یہ وہ مسجد ہے جسے میں[2] نے بیس مرتبہ آباد کیا اور بیس مرتبہ ویران ہوتے دیکھا اور ہر دو مرتبہ کے دوران میں پانچ سو برس کا فاصلہ ہے۔ اس بنا پر مسجد کی تاسیس واقعہ معراج سے دس ہزار سال پہلے معلوم ہوتی ہے۔

جائے عبادت ہونے کے ساتھ اس زمین کے ذرّے انبیاء کی حقیقت کے بھی ثبوت ہیں اور حضرت نوح کی بدکردار اُمّت کی تنبیہہ کے لئے اس زمین کے ایک جزو کو اپنی صداقت کی نشانی قرار دیا اور طوفانِ نوح یہیں سے شروع ہوا۔ اس

---

[1] حدیقۃ الاقالیم صـ ۲۱۸ [2] من لایحضرہ الفقیہ

مسجد میں خالی بیٹھنا بھی عبادت[1] ہے۔ اور یہاں پہنچ کر مسافر کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو نماز پوری پڑھے اور چاہے قصر کرے[2]۔ جن لوگوں نے اس مسجد میں نماز پڑھی ہے[3] یہ خدا کے سامنے ان کی غیر مسترد سفارش کرے گی۔ جناب امیرؑ نے ایک طولانی حدیث[4] میں فرمایا ہے کہ اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ مسجد کوفہ میں کتنے برکات ہیں تو وہ زمین کے ہر گوشہ سے کھنچ کر یہاں آئیں اگرچہ ان کو برفستان میں بھی چلنا کیوں نہ پڑے۔ دوسرے موقع پر حضرتؑ نے اس مسجد کو مسلمانوں کے قبلۂ اولیٰ پر فضیلت دی ہے۔ ایک شخص خدمت مبارک میں آیا اور عرض کیا کہ میں بیت المقدس جانے والا ہوں زاد و راحلہ سب فراہم کر چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ سفر خرچ صرف کر دے اور سواری بیچ ڈال اور اس مسجد میں بیٹھ رہ۔ یہ مسجد ان مسجدوں میں سے ہے جس میں دو رکعت نماز کی دس رکعتوں کے برابر ہیں اور مسجد کے دروازہ سے لے کر بارہ[5] میل تک اس کی برکت پھیلی ہوئی ہے۔ اسی طرح ایک ہزار گز تک زمین کے نیچے اس کے برکات پہنچے ہوئے ہیں۔ اس میں ایک ہزار نبی اور وصی نبی نے نمازیں پڑھی ہیں۔

مسجد کوفہ کا یہ غیر معمولی فضل و شرف جناب امیر المومنینؑ کے پیش نظر تھا اور آپ کو اپنے دور حکومت میں موقع مل گیا کہ اس مسجد کو ہمیشہ اپنی تبلیغ کا مرکز رکھا۔ اگر آپ کی جگہ کوئی جاہ پرست انسان ہوتا تو دارالحکومت کی فلک نما عمارت بنوا کے شاہانہ طور پر قیام کرتا لیکن وہ تو اپنے عملیات سے دنیا میں ذہنی انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ان کی دوربین نگاہیں ظاہری سطحوں

---

[1] جامع الاخبار [2] شرح لمعہ ذکریٰ [3] من لا یحضر [4] من لا یحضر
[5] معجم البلدان شہاب الدین ابی عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ حموی بغدادی

پڑ نہیں پڑیں۔ پانچ سال تک حکومت کو اسی مسجد میں ایسا فروغ دیا کہ کہیں دکۃ القضاءؑ کہیں بیت الطشت، کہیں باب ثعبان، مسجد کا چپہ چپہ ان کے عدل و انصاف کا گہوارہ ہے تو کہیں محراب خون کے چھینٹوں سے رنگین ہے۔ اس مقام پر جہاں نماز صبح کے اثناء میں آپ کے سر مبارک پر ابن ملجم لع کی ضرب لگی پیتل کا ایک کٹہرا لگا ہوا ہے جس پر یہ شعر تحریر ہے ؎

بسجدہ بود بدرگاہِ خالقِ اکبر ٭ زدند تیغ بفرقِ علیؑ دریں محراب

حضرت آدمؑ سے حضرت خاتمؐ تک بیشتر نبی اور وصی نبی سفر کر کے آئے اور نمازیں پڑھ کے چلے گئے مگر کسی نے کوفہ کو اپنا گھر نہ بنایا مگر جناب علی بن ابی طالبؑ نے مستقل سکونت اختیار کی اور مسجد کے برکات کو اپنا لیا۔ بیشک حضرت نوحؑ کا گھر بھی اسی مسجد میں تھا مگر وہ گھر طوفان آجانے سے قہر آلود ثابت ہوا اور علیؑ کا گھر رحم و کرم کا مرکز تھا۔ ادریسؑ نبی بھی اس مسجد میں بیٹھ کر کپڑے سیتے اور درس دیتے تھے مگر کوئی بیان کرنے والا نہیں کہ وہ کیا درس تھا۔ لیکن علیؑ نے منبر کوفہ پر جو درس دیا وہ دنیا قیامت تک فراموش نہ کرے گی۔ مسجد کوفہ کا دروازہ باب الثعبان اژدہے والا بہت مشہور ہے۔ اس دروازے سے جن اژدہے کی صورت میں داخل ہوا تھا اور جناب امیرؑ وعظ فرما رہے تھے۔ اموی دور میں اس دروازہ پر ہاتھی باندھا گیا تاکہ لوگ باب الفیل کہنے لگیں اور فضیلت پر پردہ پڑ جائے۔

یہ فضیلت مسلمانوں میں ناقابلِ انکار ہے کہ جناب علی ابن ابی طالبؑ کا دروازہ مسجد نبوی میں کبھی بند نہیں ہوا اور آپ کی گذرگاہ خانۂ خدا کی طیبّ و طاہر

عہ ریاض الجنان فی تتل منتہی الجنان مولفہ مولوی اشرف علی ابن عبدالعلی مطبوعہ ۱۲۷۷ھ

زمین تھی لیکن تاریخ سے یہ بھی واضح ہے کہ آپ کے کوفہ والے گھر کا دروازہ بھی مسجدِ کوفہ کی حدود میں تھا۔ ایک مسلم الثبوت شاعر مسجد کوفہ سے اپنی ارادت مندی کے ذیل میں خصوصیاتِ مسجد بیان کرتے ہوئے کہتا ہے "اور وہیں امیر المومنینؑ کا دروازہ بھی تھا جہاں سے آپ آتے جاتے تھے۔"[1]

نقل مسجد کوفہ

مسجد کی عظمت کے لحاظ سے اس خانۂ خدا کی شبیہہ بھی اقطاعِ عالم میں کئی جگہ بنائی گئی اور ہند و پاک اس یادگار کے مظہر ہیں۔

(ا) علاقہ سندھ میں قلعہ بھنبور کے کھنڈرات بچشم خود دیکھنے کے بعد میں اس نتیجہ تک پہنچا کہ قلعہ پر جو قبل میلاد عیسیٰؑ کی بنیاد ہے جب مسلمانوں کا اقتدار قائم ہوا تو ایک مسجد بنائی گئی جس پر انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ والیوم الآخر کی آیہ کریمہ ثبت ہوئی۔ یہ مسطح قطعہ زمین وہاں اب بھی نمایاں ہے اور رہے سہے حروف میں سنگِ تعمیر کے جو بخط کوفی تھا جہاں تک مٹتی ہوئی تحریر پڑھی گئی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ متوکل عباسی کے زمانہ کی عمارت تھی جس کو بیدار مغز حکومت پاکستان نے کھدائی میں زیر زمین سے نکال نکال کر میوزیم کی بلڈنگ میں منظرِ عام کے لئے نصب کیا ہے اور خطِ کوفی کو عربی خط نسخ میں منتقل کر کے بورڈ پر لکھا ہے "مما امر بہ الامیر ھارون بن محمد مولیٰ امیر المومنین اعزہ اللہ علیٰ یدی علی بن عیسیٰ مولیٰ امیر المومنین۔ امیر ہارون بن محمد مولیٰ امیر المومنین اللہ اسے عزت بخشے نے علی بن عیسیٰ مولا امیر المومنین (اللہ اسے

---

[1] و باب امیر المومنین الذی بہ ممر امیر المومنین الصذب معجم البلدان جلد ۷ ص ۱۹۸

مکرم بنا کے) کے ذریعہ ۲۳۹ھ مطابق ۸۵۳ء عیسوی میں اس کی تعمیر کا حکم دیا۔
فریم کی انگریزی اور اردو تحریر میں یہ بھی درج ہے کہ یہ مسجد کوفہ کی مسجد سے بہت مشابہ تھی اور دار الآثار کا عملہ بتاتا ہے کہ قدیم ہندوستان کی پہلی مسجد یہی ہے۔ یہ تشابہ بانی مسجد کے مذہب پر بھی دلیل ہے اور سوال باقی نہیں رہتا کہ وہ کس عقیدے کا شخص تھا۔ بہرحال یہ عمارت امام علی نقی علیہ السلام کے زمانہ کی تعمیر ہے۔ دسویں امامؑ کی وفات ۲۵۴ھ میں ہوئی۔ اس لحاظ سے بانی متوکل کا حلقہ بگوش تھا۔

(۲) لکھنؤ میں شبیہہ مسجد کوفہ جو روضۂ کاظمین سے ملحق واقع ہے آخری سلطنت اودھ کی تعمیر ہے جہاں ہجرت سے پہلے مجھے بار بار نماز صبح (کی جماعت) پڑھانے کی نوبت آئی۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بھی شرف الدولہ بانی کاظمین کی بنیاد ہے اور روضۂ کاظمیہ ہے یا کوئی دوسرا روشن خیال بانی تھا دونوں عمارتیں حسین آباد ٹرسٹ کے زیرِ انتظام ہیں۔ چاروں طرف محراب اور نماز پڑھنے کی جگہ ہے پچھم کا درجہ محراب و منبر سے قبلہ رُخ صحن وسیع اور انبیاؑ کے مصلّوں کی جگہ طوفانِ نوحؑ کا نشیبی حصّہ دھوپ گھڑی کا نشستی ستون جو اصل میں بمنزلہ شاخص ہے یہ عمارت لال رنگ کی ہے اور دھنو کا حوض دروازہ سے متصل ہے۔ یہ تھے مسجد کوفہ کے حالات جس پر مختصر تبصرہ کے بعد یہ مقدمہ ختم کیا جاتا ہے۔

تیسرا مقدمہ قاضی شریح

کوفہ میں محکمہ قضاء سپرد تھا۔ ولدیت میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض اہلِ تحقیق کہتے ہیں کہ ان کا پورا نام حرث بن قیس کندی تھا اور ایک گروہ کا بیان ہے کہ ان کے باپ کو ہانی کہتے تھے۔ مشہور لوگوں کی ولدیت میں اکثر اختلاف

ہوجاتا ہے۔ ابوہریرہ کے باپ کا کیا نام تھا؟ اس کے جواب میں تقریباً بیس[۱] نام بتائے جاتے ہیں۔ اصلیت کا خدا کو علم ہے۔ شریح لقب تھا جو نام پر غالب آیا۔ ابوامیہ کنیت تھی خلافت دوم میں شریح کو قاضی بنایا گیا حکومت سے ان کی تنخواہ[۲] مقرر تھی۔ پچھتر برس[۳] تک اس عہدہ پر برقرار رہے۔ صرف فتنۂ ابن زبیر کے زمانہ میں تین برس تک کام نہیں کیا۔ حجاج[۴] کے دور حکومت میں انہوں نے استعفٰی دیدیا جسے منظور کر لیا گیا اور پھر مرتے دم تک شریح نے کسی کا فیصلہ نہیں کیا۔ شریح احکام صادر کرتے وقت اور فیصلہ میں کبھی بڑی ذہانت سے کام لیتے تھے۔ ایک عورت[۵] ان کے پاس اپنا قضیہ لے کر آئی اور شریح کو دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ عراق کے عالم شعبی[۶] نے کہا اے ابوامیہ دیکھتے ہو کس طرح رو رہی ہے شریح نے برجستہ کہا کہ یوسفؑ کے بھائی بھی تو روتے ہوئے آئے تھے حالانکہ جھوٹے تھے۔ وہ تابعین میں تھے پیغمبر خداؐ کے اصحاب کا زمانہ پایا تھا۔ خود رسولؐ کو نہ دیکھا تھا۔ اگر تابعی تھے تو بظاہر کمسنی میں حضرت عمر نے ان کو اس عہدہ پر سرفراز کیا اور شریح اپنے افعال و اقوال سے اس احسان کو ہمیشہ محسوس کرتے رہے اور خاندان رسالتؐ سے اس کو کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی۔ شریح حالت امکان میں آل رسولؐ سے علمی مدد لینے پر بھی تیار نہ تھے۔ ایک مرتبہ ام المومنین بی بی عائشہ سے موزہ پر مسح کرنے کے بارے میں سوال کیا

---

[۱] تصحیح النظر فی توضیح نخبۃ الفکر از مولوی محمد حسین ہزاروی [۲] غایۃ الاوطار ترجمہ اردو درالمختار ص۲۱۶ مطبوعہ نوالکشور کانپور ۱۸۷۶ء [۳] مجمع البحرین (لغت حدیث)

[۴] حجاج شوال ۹۵ھ میں ہلاک ہوا [۵] تفسیر مفاتیح الغیب فخر الدین رازی

[۶] شعبی نے یزید بن عبدالملک المتوفی ۱۰۵ھ کے ایام دولت میں انتقال کیا۔

"انہوں نے جواب دیا کہ علیؑ کے پاس جاؤ۔ وہ رسول خدا صلعم کے ساتھ ہر سفر میں رہے ہیں"[1] البتہ میراث خنثیٰ کے موقع پر شریح نے جناب امیرالمومنینؑ سے مجبوراً رجوع کی ہے یا ایک پدر مردہ جوان کے بارے میں شریح نوعیت واقعہ نہ سمجھے اور جناب امیرؑ سے جواب پوچھا۔ شریح نے ایک مرتبہ خود حضرت علیؑ کے خلاف فیصلہ کر دیا تھا۔

ان حضرتؑ کی زرہ کسی نصرانی کے پاس دستیاب ہوئی اور آپ اس کو لئے ہوئے شریح کے پاس آ گئے اور مسند کے ایک گوشہ پر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا اگر میرا مدعا علیہ مسلمان ہوتا تو میں اس کے برابر کھڑا ہوتا۔ یہ فرما کر قاضی شریح سے کہا کہ یہ زرہ میری ہے۔ نصرانی نے انکار کیا (راوی کا بیان ہے کہ جناب علی مرتضیٰؑ کا دعویٰ ہرگز غلط نہ تھا) شریح نے پوچھا (یا علیؑ) آپ کے پاس کوئی گواہ ہے۔ حضرتؑ نے کہا نہیں۔ نصرانی زرہ لے کر چلا گیا اور حضرت علیؑ دادرسی میں بظاہر ناکام رہے لیکن وہ نصرانی تھوڑی دور گیا تھا کہ واپس آیا اور کہا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدائے برحق کے سوا کوئی معبود نہیں اور انبیاؑ کے الٰہی احکام ایسے ہوتے ہیں کہ خود امیرالمومنینؑ مجھے قاضی کے پاس لے جائیں اور قاضی ان پر قضاء کا حکم جاری کر دے۔ عیسائی اسلام لے آیا اور اقرار کیا کہ یہ زرہ جناب امیرالمومنینؑ کی جنگ صفین کے سفر میں گر پڑی تھی۔ آپ اس کے مسلمان ہو جانے پر بہت خوش ہوئے اور وہ زرہ اس کو بخشدی اور ایک گھوڑا بھی عطا فرمایا۔ وہ نصرانی خوارج کی جنگ تک آپ کے ساتھ رہا۔[2]

---

[1] تفسیر کبیر ص۵۹۸ جلد سوم [2] ارشاد شیخ مفید

کوفہ کے محکمہ قضاء سے شریح کی مالی حالت بہت کچھ بڑھ گئی اور وہ وقت آیا کہ اسّی دینار کو شریح نے ایک مکان خریدا۔ یہ رویہ بحیثیت ایک تاجدار طبع مبارک پر بار ہوا اور قنبرؓ کو بھیج کر قاضی شریح کو طلب کیا اور مکان خریدنے کا ذکر کیا، اے شریح خدا سے ڈر عنقریب وہ آنے والا ہے جو نہ تو تیرے دستاویز کو دیکھے گا۔ نہ گواہوں سے کچھ پوچھے گا۔ تجھے اس گھر سے باہر کرکے قبر میں پہنچا دے گا۔ اس معاملہ میں مالک مکان کی ملکیت میں شُبہ اور قیمت کے کسب حلال سے نہ ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے آخر کلام میں فرمایا کہ اگر ایسا ہوگا تو بیعنامہ غلط ہے اور تو دنیا و آخرت دونوں جگہ نقصان[۲] میں رہے گا۔ یہ فیصلہ قاضی شریح کی مذہبیت کے یقیناً خلاف ہے شریح کے بیٹے کا نام اسد[۳] تھا۔ وہ بھی اہلبیتؑ کا دوستدار نہ تھا۔

شریک بن عبداللہ

قاضی شریح کے بہت بعد تھے۔ ان کا پورا نام یہ تھا۔ ابوعبداللہ شریک بن عبداللہ بن شریک مہدی باللہ کے زمانہ میں ان کو بغداد کا قاضی بنایا اور ہادی باللہ نے اپنے دورِ حکومت میں ان کو اس عہدہ سے معزول کیا اور کوفہ میں ۱۷۷ھ میں وفات پاگئے۔ ان کی رائے صائب ہوتی تھی جوابات برجستہ دیتے تھے۔ اگرچہ ان کو حکام جور میں شمار کیا گیا ہے۔ مگر ان کے دل میں جناب علی مرتضیٰ[۱] کی خاص عزت تھی۔ کسی نے ان کے سامنے معاویہ[۲] کو حکیم بنایا تو فوراً جواب دیا کہ جو حق کو نہ پہچانے اور جناب علی مرتضیٰ[۱]

---

[۱] یہ واقعہ ارشاد میں حضرت تاج العلماء طاب ثراہ نے اور ذخیرہ رستگاری صـ۳ میں مولانا سید علی اکبر صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر نے لکھا ہے۔ [۲] فاذا انت قد خسرت الدارین جمیعا الدنیا والآخرۃ۔ [۳] ناسخ التواریخ [۴] تاریخ ابن وردی

سے جہاد کرے۔ وہ حکیم نہیں ہو سکتا، شریک کا ائمہ حدیث میں شمار ہے حدیث غدیر کی روایت ان سے موجود ہے۔

چوتھا مقدمہ حضرت ہانی بن عروہؒ

کوفہ کے سربرآوردہ شخص تھے۔ تمام قبائل عرب ان کی عزت کرتے تھے۔

عرب کا بچہ بچہ ان کی شرافت و نجابت کا گواہ تھا۔ انسانی ہمدردی اور مہمان نوازی ذاتی اوصاف کی وجہ سے وہ ہر دلعزیز تھے۔ کوفہ میں ان کی بزرگانہ حیثیت تھی۔ جب وہ گھر سے نکلتے تھے تو بارہ ہزار آہن پوش سوار ہمراہ رکاب چلتے نظر آتے تھے اور عام لوگ ان کا کہا مانتے تھے۔ ابن زیاد کی نگاہ میں بھی ان کی عزت تھی ان کی عمر نوے برس[1] کی بتائی جاتی ہے۔ اگر یہ قول صحیح ہے تو پیغمبر خدا کے صحابی تھے اور حسنین کو آغوشِ نبیؐ میں پرورش پاتے دیکھ چکے تھے۔ محمد و آل محمد علیہم السلام کے عقیدت کیش تھے اور مودت اہلبیتؑ ہی کو ذریعہ نجات سمجھتے تھے۔ بہادری اور استقلال ان کی خاص صفت تھی کسی مخالف طاقت سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے۔ ابن اثیر مورخ نے ان کے لیے لکھا ہے۔ "وہ کٹر شیعہ[2] تھے اور جنگِ صفین میں عمار یاسرؓ کے ساتھ شریک تھے۔" جنابِ امیرؑ ان کو سب سے زیادہ دوست رکھتے تھے۔ ممکن ہے کہ جناب امیر المومنینؑ نے اپنے حکیمانہ اقوال میں ہانیؒ کو انکے انجام سے باخبر کر دیا ہو مگر واقعات کے فقدان نے ایسا مواد ہم تک پہنچنے نہیں دیا۔ ہانیؒ کی بی بی "زُوَیحہ" دشمن اہلبیتؑ تھی اور اس کو ایسا ہی ہونا بھی چاہیئے تھا۔ اس کا باپ[3] عمر بن حجاج زبیدیؒ تھا جو کربلا پہنچ کر فوج شام میں فرات پر موکل ہوا۔

---

[1] شیون وشیق صفحہ ۱۴۰

[2] کان شد ید التشیع قد شھد صفین مع عمار تاریخ کامل۔

[3] ارشاد شیخ مفید و ناسخ التواریخ اور بروایتے وہ ہانیؒ کا برادر نسبتی تھا ص ۱۸۷ قاتلانِ حسینؑ کا مذہب ص ۵ کان احب الناس الی امیر المومنین علی[4] ریاض الجنان عربی ص ۱۱۲

رویحہ کے بطن سے یحییٰ پیدا ہوا اس کو بھی آلِ محمدؐ سے کوئی عقیدت نہیں تھی۔ وہ اپنے ننھیال کا پاٹ لیتا تھا۔ یحییٰ اگر دوست دار اہلبیتؑ نہ تھا تو کم از کم اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینا اس کا فرض اولین تھا۔ لیکن ہانیؒ کے بعد اس جذبات انتقام سے تاریخیں خالی ہیں۔ زیارت میں ہانیؒ کو عبد صالح (نیک کردار بندہ) مظلوم اور مجتہد کی گراں قدر لفظوں سے یاد کیا ہے۔ دیگر حالات انشاء اللہ اپنے محل پر آئیں گے۔

پانچواں مقدمہ طوعہؒ

بعض ذمہ دار لوگ طوعہؒ کو لونڈی کہتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ وہ اشعث بن قیس کے حلقہ اطاعت میں تھیں۔ جب اشعث نے آزاد کیا تو اُسَید حضرمی کے ساتھ ان کا نکاح ہوا جو ابن زیادؑ کے حاشیہ نشینوں میں تھا۔ جس رات[1] مسلمؑ کے قتل کا سامان ہوا ہے وہ ابن زیادؑ کی آرامگاہ پر پہرہ دے رہا تھا۔ طوعہؒ کے بطن سے بلال یا ہلال فرزند پیدا ہوا وہ بھی باپ کے رنگ پر تھا۔ طوعہؒ کوفہ کی قدیم رہنے والی اور محب اہلبیتؑ تھیں وہ اس گھر میں اسیر صفت زندگی بسر کرتی تھیں۔ بیٹے سے ان کو ضرور محبت تھی اور وہ الفتِ مادری سے مجبور بھی تھی مگر بلال کو ماں کی اطاعت کا کچھ خیال نہ تھا طوعہؒ اگر کنیز تھیں تو اُن آزاد عورتوں سے ضرور بہتر تھیں جن کے دلوں میں اولاد فاطمہؑ کی محبت نہ تھی وہ زیور کمال سے آراستہ تھیں عرب کی حمیت وفا مہمان نوازی شجاعت و بہادری انسانی ہمدردی ان کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھی مذہب کے آگے وہ شوہر اور اولاد کا خیال نہ کرتی تھیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ بنی ہاشم اور جناب مسلمؑ کے بنی اعمام میں سے تھیں۔ ۶۰ھ میں ان کا بڑھاپا تھا۔ باقی کوائف آئندہ اپنے محل پر ذکر ہوں گے۔

---

[1] ریاض المصائب عربی چھاپا

چھٹا مقدمہ سلسلہ نسب

مندرجہ ذیل شجرہ ان اشخاص کو ظاہر کرنے کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ جن کا اس سوانح حیات میں ذکر آئے گا۔

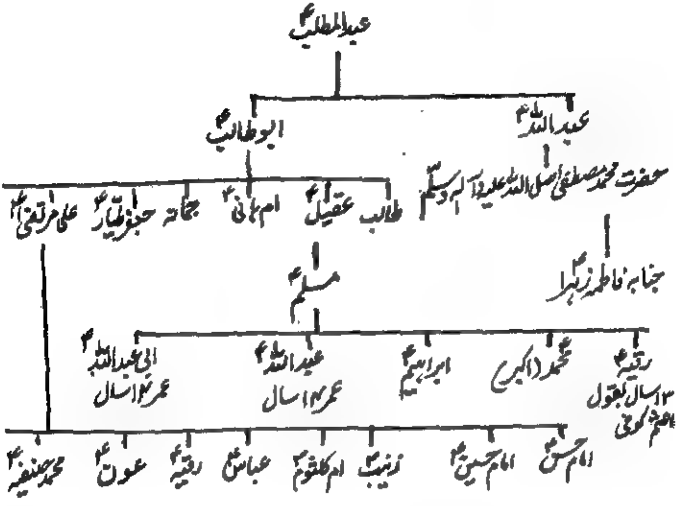

ساتواں مقدمہ اولادِ مسلمؑ [۱]

سرنامۂ سخن میں دو الفاظ ہیں غیر منقوط جن کے حوالۂ قلم کرنے سے بیکسی یتیمی کا تصور پہلے ہوتا ہے پھر قلوب میں ٹھیس لگ کر جذبۂ ہمدردی پیدا ہوتا ہے اور دل فکر سلیم سے پوچھتا ہے کہ کس گھرانے کے بچے ہیں جن کی بے نیازی کا یہ حال ہے کہ عنوان کلام نقطوں کا بھی شرمندہ نہیں ہے مسلمؑ کا کس خاندان سے تعلق ہے؟ جواب ملتا ہے کہ وہ فخر کائنات مرسلؐ کے خانوادہ سے بنی ہاشم کی جلیل فرد ہیں جو چار دانگ عالم

۱؎ مصنف مدظلہ کا ایک مقالہ جسے مقدمہ قرار دے کر اسی ایڈیشن میں شامل کیا گیا ہے۔

میں محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ ہوا خواہانِ یزید لعنہ مادیت اور جہالت کی مضبوط زنجیر دل میں ایسے جکڑے ہوئے تھے کہ دن دوپہر جلتی ہوئی دھوپ میں بھی ان کو پہچان نہ سکے۔ ان کو قرآن پہچانتا ہے، روح الامین ان کے فضل و شرف کے گواہ ہیں۔ وحی و الہام کے حقیقت خیز پیام ان کے زندگی کے تصاویر (عکس) ہیں۔ انسان سہو و خطا کا مجموعہ لغزش اور نسیان کا پیکر ہے۔ اس لئے اس کو ٹوک کرنا پڑتا ہے کہ جس بلند مرتبہ انسان نے محمد عربی ص کو اپنے سایۂ عطوفت میں پرورش کیا تھا، اس کا نام (کنیت) ابوطالب ع تھا اور ابوطالب ع کی اولاد یعنی پیغمبر ص کے چچیرے بھائیوں میں عقیل ع، جعفر ع، علی ع ایک سے ایک بہتر انسان تھا۔ کمالات کے لحاظ سے یہ سب عدیم النظیر مانے گئے ہیں۔ علی ع سرچشمۂ امامت و عصمت اور پیغمبر خدا ص کے بلا فصل جانشین تھے۔ جن کی خلافت کا غدیر میں ببانگ دہل اعلان ہو چکا تھا جعفر ع سن و سال میں ان سے بڑے تھے۔ نصرتِ اسلام اور جنگ موتہ میں اپنے دونوں ہاتھ کٹا کر شہید ہوئے اور پیغمبر ص نے پکار پکار کر کہا (مرنے والے بھائی کو دو بال و پر زمرّد کے عطا ہوئے ہیں اور وہ فردوس بریں کی وسعت میں پرواز کرتے ہیں۔ طیار لقب اسی وجہ سے ہے جس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہے۔ نماز جعفر طیار جس کو فریقین نے روایت کیا ہے وہ سنتی نماز ہے جو جعفر طیار ع کے ذریعہ سے مسلمانوں تک پہنچی۔ عقیل ع ان سے بزرگ تھے ان کی جودت طبع اور ذہانت حاضر جوابی حق گوئی کا عرب بھر میں نظیر نہ تھا بہت بڑے ادیب اور انساب عرب کے جاننے والے تھے۔ ان کی شان میں قرآن کی آیتیں ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمومنین اور احادیث برابر سے وارد ہوئے ہیں۔ مسلم ع عقیل ع کے فرزند نرینہ تھے۔ ان میں آبائی کمالات کے ساتھ شجاعت اور پرہیزگاری بھی بدرجہ اتم تھی۔ یہ حضرت امیر ع کے بھتیجے اور

داماد اور حسین بن علیؑ کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی تھے۔ سیّد الشہداء روحی فداہ کی ایک سوتیلی بہن ان سے منسوب تھی جن کا نام رقیہؑ تھا۔ وہ حضرت معصومۂ عالمؑ کے پیٹ سے نہ تھیں۔ مگر عصمت کے ماحول زینبؑ و اُم کلثومؑ ایسی فخر النساء عورتوں میں پرورش پا کر بڑی ہوئی تھیں۔ اس لحاظ سے ان کے بچوں کو علیؑ کا نواسہ، حسینؑ کا بھانجہ اور بھتیجہ ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر خاندانِ رسالتؐ میں کفو کا بہت زیادہ خیال رکھا جاتا ہے۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ جنابِ معصومہ کونینؑ کے لئے پیغمبر اکرمؐ نے کس کس کے پیام رد کیے اور اصحاب میں کوئی کامیاب نہ ہوا۔ یہی نظریہ حضرت امیرؑ نے بھی اپنی اولاد کی تزویج میں رکھا ہے۔ رقیہؑ اور مسلمؑ کا وہ رشتہ تھا جس سے بہتر زن و شوہر نہ تھے اولادِ فاطمہؑ کے محیر العقول فضائل و کمالات اس حد تک معراجِ کمال تک پہنچ چکے تھے کہ اولادِ علیؑ میں محمد حنفیہؑ، رقیہؑ وغیرہ کے نام بلند نہیں ہو سکے۔ ورنہ قطعِ نظر اولادِ فاطمہؑ کے نہ علیؑ کے فرزندوں کا کوئی نظیر تھا اور نہ بیٹیوں کی مثال تھی۔

یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ بیٹا باپ کے کمالات کا آئینہ ہوتا ہے اور توارث میں اولاد کا سب سے بڑا حصّہ ہوتا ہے۔ میراث کی جھلک، ورثہ کے اثرات دنیا کے بہت سے مناظر میں ملتے ہیں۔ عرب میں رطب اور ہندوستان میں آم وہ طیب ثمر ہیں جن کا نمونہ جس درخت کے وہ پھل ہیں انہیں میں ملتا ہے۔ ممکن نہیں کہ خرمہ صیحانی ہر نخلستان میں مل جائے۔ پھولوں میں ایک شان، ایک انداز، ایک خوشبو کا پھول ہمیشہ ایک ہی گلاب سے حاصل ہوتا ہے۔ سواریوں میں عربی نژاد راہوار جس خوبی اور شان و شوکت کے ہوتے ہیں وہ کسی دوسری نسل میں گھوڑوں کے نہیں ہوتے۔ فیروزہ نیشاپور کے خاص معدن کا اور لعلِ بدخشاں کی

کان میں عقیق یمن سے بہتر کہیں نہیں ہوتا اور ہر قسم اپنے اجزا، کو خود ہی تقسیم کرتی ہے۔ نیشاپوری فیروزہ ایران کے کسی دوسرے شہر میں نہ ہوگا۔ یہ وہ مثالیں ہیں جو شرمندہ ردو قدح کبھی نہیں ہو سکیں۔ حضرت مسلمؑ اس خاندان کے تھے جو معدن عصمت و طہارت تھا۔ وہ اس خانوادہ کے تھے جو علم و عمل کا واحد مرکز مانا گیا ہے۔ وہ اس پاکیزہ مٹی سے خلق ہوئے تھے جو فردوسِ بریں کی تخمیر تھی۔ وہ اس بہادر گھرانے کے فرزند تھے جس نے دشمن کو پشت نہیں دکھائی۔ وہ اس نسل کے مرد تھے جس کی شجاعت پر آسمان کے فرشتے گواہ ہیں میں حضرت مسلمؑ کے حالات میں یہ مستقل کتاب سپرد قلم کر چکا ہوں جو مقبول عام ہو کر متحدہ ہندوستان اور بیرونِ ہند میں پہنچ چکی ہے اور یہ مقالہ (مقدمہ) اس کے صفحات کا پروف نہیں ہے بلکہ ممدوح کی عظمت اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ عمر صرف کرنے پر بھی کمالات کا تعارف اور مدح سرائی کا حق ادا نہیں ہوتا۔ لو کان المریاض اقلاما۔ حضرت مسلمؑ کے گھرانے کی منزل شرف ہے۔

حضرت مسلمؑ کی بہادری کا پہلا تعارف فتوحات مصر میں ہوا۔ اس محترم بزرگ نے اپنی خدمات سے اسلام کو یہ مدد پہنچائی کہ بھائیوں کو ساتھ لے کر وہ جہاد کیا جو آج تک صفحہ تاریخ پر باقی ہے۔ شیخ علامہ محمد بن معز کے یہ جملے فراموش نہیں کیے جا سکتے وللّٰہ درہ مسلم بن عقیل و اخوتہ لقد قاتلوا قتالاً شدیداً حتیٰ کانت اللّٰہ ماء علی درعہم کانہا اکباد الا بل (فتوحات بہنسا صـ۶۲ طبع بمبئی ۱۲۸۶ھ) قابل تبریک ہیں مسلمؑ اور ان کے بھائی جنہوں نے مصر کی جنگ میں گھمسان کی لڑائی لڑی اور ان بھائیوں کی زرہوں پر خون کا یہ حال تھا جیسے اونٹ کی کلیجی ہے ہر مجاہد سرخ پیکر تھا کاش شیعہ قوم کے پاس کوئی سرمایہ ہوتا اور وہ ان حقائق کو اصل ماخذ اور

مصدر سے ترجمہ کرکے پیش کرتے اور وہ اختصار جو اخبار کے صفحات کے لئے زیبا ہے حد تفصیل کو پہنچتا اور حیثیت کی صحیح ترجمانی ہوتی اور اس غلط جادہ سے قوم کے قدم ہٹتے جو دوستی کے پردہ میں دشمنی میں روز بروز ۔۔۔ کامیاب ہو رہا ہے اور اگر خلاف قلم اٹھاؤ تو آپس کی نزاع کی عذر تراشا جاتا ہے اور اہل قلم کو متہم کیا جاتا ہے کہ یہ آپس میں لڑنے کے عادی ہیں۔ اس آڑ میں اختلافی آواز سُنی نہیں جاتی اور مصلح کا فرض مشکوک کر دیا جاتا ہے ۔

خدارا عقل سے کام لو۔ دماغ کو یکسو کرکے حالات پر نظر کرو۔ خدا کی توفیق کے ہمہ وقت خواہاں رہو۔ اپنی نقل و حرکت کو خدا کی طاقت پر تفویض کر دو۔ جو کام کرو وہ خدا کے لئے۔ مسلم بن عقیلؑ نے فتح مصر میں کسی حاکم وقت کی مدد نہیں کی۔ دین خدا کی مدد کی۔ سچے اسلام کی مدد کی۔ کسی جنبہ دار کو اپنی نیت کے مطابق اس جنگ کو نہ دیکھنا چاہیئے۔ وہ یہ دیکھے مسلم اسلام کی مدد کر رہے ہیں کیا انما الاعمال بالنّیات کی متفق علیہ آواز آج ہمارے دماغ سے نکل گئی ہے۔ اس صدا کو ذہن میں محفوظ رہنا چاہیئے۔ طاغوتی لشکر شہاب ثاقب پھینکے جانے کی جگہ سے زمین کے ذرّوں تک پھیلا ہوا ہے۔ انسان ہر چہار طرف سے مادیت میں گھرا ہوا ہے۔ شیطان کا وعدہ ہے کہ میں چپ و راست جنوب و شمال ہر سمت سے حملہ آور ہوں گا۔ ہم ایمان بالغیب پر ایمان لانے کے معترف ہیں۔ مگر اس پوشیدہ طاقت کو ہم نے نظروں سے اوجھل کر دیا ہے اور اس دشمن کو کمین گاہ میں نہیں سمجھتے۔ انسان دشمن بن کر جسم پر حملہ کرتا ہے اور اس کے اثرات پیکر و جسد پر نظر آتے ہیں۔ اور یہ حملہ ایمان اور روح پر ہوتا ہے۔ دشمن دل کی عنان باطل کی طرف موڑنا چاہتا ہے۔ اس پُر آشوب عہد میں حقائق کو ایمان کی روشنی میں دیکھو

تجدد کی ہوا میں نہ بیٹھو۔ سیاست مسلم ریاست علویہ کی فرع اور سیاست حسنیہ کا نقش اوّل تھا۔

میرے پیارے بھائیو۔ تم بھی مسلمؑ کے ایسے بنو، عقیلؑ کا ایسا جذبہ پیدا کرو۔ ان کے خدمات کو مشیت کا کارنامہ سمجھو ان کے طرز عمل کو سیاستِ الٰہیہ کا قانون سمجھو۔ سیاست حاضرہ سے مثال نہ دو۔ اگر آج دنیا میں سیاست حقِ محض اور صداقتِ خالص کے معنی میں استعمال ہو تو بیشک حسینی سیاست سیاست ہے ورنہ سیاستِ حاضرہ کو سیاستِ حسینی سے مثال دینا وقارِ اہلبیتؑ کو کم کرنا ہے۔

شجاعتِ مسلمؑ کا دوسرا مظاہرہ صفر ۳۷ھ جنگِ صفین میں ہوا اور مسلمؑ کی کمال شجاعت کی یہ دلیل تھی کہ انہوں نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے ساتھ اس جنگ میں بھی شرکت کی اور اگر ہم اس غزوہ کی تفصیل کریں تو پہلے یہ لکھنا پڑے گا کہ مسلمؑ میمنہ لشکر پر تھے (مناقب آل ابی طالب ص۹۸ طبع بمبئی)۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حضرت مسلمؑ جس وقت امام مظلومؑ کے ایلچی بن کر کوفہ میں آئے اس وقت عرب کا بچہ بچہ ان کی شجاعت سے واقف تھا۔ کوفہ کی گلیوں میں حضرتِ مسلمؑ کی تلوار نے ابنِ زیاد کی فوج کو زیر و زبر کیا۔ یہ بہادری مخفی نہ تھی۔ فرزندانِ مسلمؑ اسی شیر کے شیر تھے۔ اور اسی مجسمۂ کمالات کے چشم و چراغ تھے۔ واقعہ کربلا میں جو بچے جناب مسلمؑ کے شہید ہوئے ان میں ایک نونہال رقیہ بنت علیؑ کے بطن سے تھا۔ قربانی کا جذبہ کس قدر کامل تھا کہ مسلمؑ نے اپنی نصرت پر اکتفا نہ کی عیال کو فرزند رسولؐ کے ساتھ کر دیا تاکہ پسماندگان میں بیوگی اور یتیمی بھی امتحان کی سختی کو زیادہ سے زیادہ ممتاز کر دے۔ کمزور دل کی عورتیں شوہر کی وفات کو حادثہ جانکاہ

سمجھ کر یتام کو زندگی کا سہارا سمجھتی ہیں اور کسی مزید مصیبت کے لئے تیار نہیں ہوتیں مگر زوجہ مسلمؑ نے عنان صبر ہاتھ سے نہیں جانے دی۔ ان کو بجا طور پر فخر حاصل ہے کہ ان کا شوہر واقعۂ کربلا کا پہلا مجاہد اور ان کے فرزند بنی ہاشم کے پہلے شہید تھے۔

شب عاشور فرزندانِ مسلمؑ کا جذبہ اور ولولہ انگیز باتیں

امام مظلومؑ نے زندگی کی آخری شب اور دسویں محرمؑ کی رات کو جو خطبہ پڑھا اور انصار کو عام اجازت دی کہ وہ ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں۔ اس خطبہ میں اولادِ عقیلؑ سے خصوصی خطاب تھا۔ یابنی عقیل حسبکم من القتل بمسلم بن عقیل فاذ ھبوا انتم فقد اذنت لکم۔ اے فرزندانِ عقیلؑ تمہارے لئے مسلمؑ کا شہید ہو جانا کافی ہے۔ تم چلے جاؤ میں تم کو اجازت دیتا ہوں مگر ان سب نے متفق ہو کر کہا کہ بھلا ہم کو لوگ کیا کہیں گے؟ کہیں گے کہ ہم نے اپنے سید و سردار اور اپنے چچا کی اولاد کا ساتھ چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ نہ تیر لگایا نہ نیزہ مارا اور نہ تلوار چلائی۔ اور خبر بھی نہ لی کہ ان پر کیا گزری۔ ہرگز ہم ایسا نہ کریں گے بلکہ ہم اپنی جان اور مال اور اہل وعیال آپ پر فدا کر دینگے۔ اور آپ کے ساتھ رہ کر جنگ کریں گے۔ یہاں تک کہ جو آپ کا انجام ہو وہی ہمارا بھی ہو۔ اولادِ مسلمؑ میں تو کوئی مجاہد شادی شدہ نہ تھا جو یہ کہہ سکے کہ ہم اپنے عیال آپ پر فدا کریں گے۔ طبری کے اس جملہ کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ ممکن ہے کہ اولادِ عقیلؑ کا وکیل بن کر یہ جواب دیا ہو۔ یہ بھی قابلِ غور ہے کہ اس جواب میں کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ واقعہ کربلا انتقامی جنگ تھی۔ انتقام کا حق رکھتے ہوئے صبر جو بنی ہاشم کا روایتی شیوہ تھا اختیار کیا۔ یہ رات بڑی مشکل سے کٹی اور یتیم بچوں کے یہ عزائم پورے ہوتے ہوتے ظہر کا وقت بھی گزر گیا۔ جب انصار میں کوئی

باقی نہ رہا تو بنی ہاشم کی باری آئی اور بیوہ مسلمؑ کی آرزو پوری ہوئی۔

عبداللہ بن مسلمؑ

وہی یتیم بچہ ہے جو رقیہؑ کے پیٹ سے تھا۔ بنی ہاشم کی دوہری شجاعت رگ وپے میں تھی۔ چودہ برس کا سن تھا۔ مگر میدان میں پہنچنے پر شیرانہ تیور تھے۔ جو رجز پڑھا اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ آج میں (حضرت) مسلمؑ سے ملوں گا۔ وہ میرے ہی باپ ہیں۔ ہم عنفوان شباب میں دین نبیؐ پر جان دیتے ہیں۔ اور اس قوم سے نہیں ہیں جس نے رسولؐ کو جھٹلایا ہم خدا کے چنیدہ بندوں بنی ہاشم کی نسل اور حسب ونسب میں قابل تکریم ہیں۔ تلوار کھینچی، گھوڑا مہمیز کیا۔ تین حملوں میں ۹۸ دشمنوں کو قتل کیا اور آخر کار عمر بن صبیح اور اسید بن مالک لعین کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ زیارت میں ممتاز الفاظ میں ان پر سلام موجود ہے اور قاتل کو ملعون قرار دیا ہے۔

محمد بن مسلمؑ

یہ عبداللہؑ کے سوتیلے بھائی تھے۔ ماں ان کی کنیز تھیں۔ عمر ۱۲ سال سے زیادہ نہ تھی۔ عبداللہؑ کے قتل ہونے کے بعد ایک قول تو یہ ہے کہ اولاد ابی طالبؑ نے ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ اور امامؑ نے آواز دی اے میرے چچا کے بیٹو! موت کے مرحلہ کو آسان کر دو اور دوسرا قول ہے کہ بالحاح وزاری امامؑ سے اذن جہاد حاصل کیا اور زخمی شیر کی طرح دشمن پر حملہ کیا مجلسی علیہ الرحمہ نے جلاء العیون میں لکھا ہے کہ محمد برادرا و بجنگگاہ آمد و جمع ازاں بدبختاں را بقتل آورد۔ ایک گروہ کو قتل کیا۔ دوازدہ سالہ طفل اگر گروہ کو تہ تیغ کرے تو اس کے دست بازو سے اس کے اسلاف کو یاد کرو۔ کس خانوادہ کا طفل ہے۔ کس قبیلہ کا مجاہد ہے۔ یہ دونوں نونہال گنج شہیداں میں بنی اسد کے تعاون سے امام زین العابدینؑ کے روبرو دیگر انصار و اعزہ کے ساتھ دفن ہوئے۔ انصار امامؑ کی زیارت میں زائروں کا ضمنی سلام ان پر بھی

پہنچتا ہے اور لکھنؤ میں فرزندانِ مسلمؑ کا روضہ تال کٹورہ روڈ پر منشی فضل حسین خاں مرحوم کی تعمیر موجود ہے۔ جو عہدِ قدیم کی ایک یادگار اور مقدس مقام ہے صاحبانِ حاجت کی مرادیں پوری ہوتی ہیں اور زیارت گاہ خلق ہے۔

دخترِ مسلمؑ واقعہ کربلا میں حضرت مسلمؑ کی ایک دختر کی موجودگی بھی ظاہر ہوتی ہے اور جب خبرِ شہادتِ مسلمؑ پہنچی ہے۔ اور اس وقت امامؑ نے دستِ شفقت پھیرا اور گوشوارے پہنائے۔ اس واقعہ کو ضیا الابصار کے مؤلف نے جن الفاظ میں سپردِ قلم کیا اس کا ترجمہ یہ ہے اور جب خبرِ شہادتِ حضرت مسلمؑ پہنچی تو امامؑ اپنی جگہ سے اُٹھے اور خیمہ میں آئے اور دخترِ مسلمؑ کو بلایا۔ اس کی عمر ۱۱ برس تھی۔ آپ نے قریب بلایا اور بالکل نزدیک بٹھایا اور دو گوشوارہ منگا کر کانوں میں پہنائے اور پیشانی اور سر پر دستِ شفقت پھیرتے تھے۔ جیسا کہ یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں (اور لڑکی انداز یتیمانہ دیکھ کر) زار و قطار رو رہی تھی۔ تاریخ میں صراحت نہیں کہ اس دختر کی ماں کا کیا نام تھا امامت کے اس رویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکی بھی شکمِ رقیہؑ سے تھی۔ اگر بطنِ رقیہؑ سے نہ ہوتی تو امام حسینؑ کی نامحرم تھی۔ لڑکی ۹ برس کی شرعاً بالغ سمجھی جاتی ہے جس پر دستِ شفقت اُسی وقت صحیح ہوتا ہے جب وہ محرم سمجھی جائے۔

یہ تھیں اولادِ مسلمؑ کی خصوصیات۔ حضرت اُم کلثومؑ نے بھی اپنے نوحہ میں روشنی ڈالی ہے جو مقاتل میں موجود ہے۔

پہلا باب

تعارف

جس معزز فرد کے دل دوز حالاتِ زندگی ہم لکھنا چاہتے ہیں اس کا نام نامی مسلمؑ ہے۔ وہ پیغمبر اسلامؐ کے محترم چچا حضرت ابی طالبؑ کے صاحبزادے جناب عقیلؑ کا چشم و چراغ ہے۔ جناب امیر المومنین علی مرتضیٰ علیہ السلام ان کے حقیقی چچا تھے جو آباؤ اجداد جناب سرور کائنات صلواۃ اللہ وسلامہ علیہ کے ہیں وہی ہمارے ممدوح کے ہیں سلسلہ نسب آپ کا ۳۶ واسطوں سے جناب ابراہیم خلیل اللہؑ تک پہنچتا ہے وہ خانوادہ رسالت و نبوتؐ کی مشہور شخصیت ہیں۔

پیدائش اور حلیہ

رسولِ عربیؐ کا دور ختم ہونے کے بعد عہد حضرت امیرؑ میں آپ پیدا ہوئے۔ فخرِ کائنات چچا اور حسنینؑ ایسے معصوم بھائیوں کے سایہ میں سنِ تمیز کو پہنچے۔ اولادِ عبدالمطلبؑ میں نبی خداؐ سے صورتؐ میں سب سے زیادہ مشابہ تھے[1] اور مرسل اعظمؐ کے بہتیرے اصحاب کو آپ نے دیکھا تھا۔ اس بنا پر ان کو تابعی کا درجہ بھی حاصل ہے۔ وہ ثقہ بھی سمجھے جاتے ہیں۔

نام اور لقب

اسلام کے لفظی معنی "گردن نہادن" کے ہیں۔ مسلم اس سے مشتق ہے۔ قلم قدرت نے مسلم نام انہیں کے نوشتہ تقدیر میں لکھ دیا تھا۔ جس سے اس مولود کے پُرامن انسان ہونے پر روشنی

---

[1] کان اشبہ ولد عبد المطلب بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ادرک جماعۃ من اصحاب النبی ذکرہ ابن حبان فی ثقات التابعین۔ (نور العین فی مشہد الحسین عربی از قاضی محمد صبغۃ اللہ بن محمد غوث محدث کتب خانہ آصفیہ دکن۔)

پڑتی ہے اور اس نام کے صحیح حقدار وہ تھے بھی فتنہ و فساد کو نہ ان کے اسلاف نے کبھی پسند کیا نہ انہوں نے افتراق و انشقاق کی تعلیم دی۔ تمام مسلمانوں کو ایک پرچم کے نیچے لانا ان کا مقصد تھا جس کی ادائیگی کے جرم میں آگے چل کر انجام میں ان کو مظلوم، شہید، مقتول ایسے پُرالم القاب سے یاد کیا۔ زیارت میں ان کا لقب "عبدِ صالح" نیک کردار بندہ بھی موجود ہے۔

مسلم حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام کے ایک غلام کا بھی نام تھا جس کی روایت ابن سعد نے اپنے طبقات میں درج کی ہے۔ وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے حضرتؑ نے پیاس معلوم ہونے پر پانی طلب کیا۔ وہ جام آب لے کر حاضر ہوا۔ اور پانی پر پھونک ماری تو آپ نے وہ پانی واپس کر دیا اور کہا کہ اس کو تم خود پیو۔ یہ ارشاد ان احادیث کی تائید کرتا ہے جنہیں گرم غذا کو پھونک کر کھانے کی ممانعت ہے۔ چونکہ منہ کی بھاپ میں جراثیم ہوتے ہیں اس لئے ان کا تحفظ مقصود ہے۔

ظاہر ہے کہ حضرت مسلمؑ کی ولادت "علی اکبرؑ شبیہ پیغمبرؐ" سے بہت پہلے ہوئی۔ اس وقت تک صورت و سیرت رفتار و گفتار میں پیغمبرؐ کی کوئی مکمل تصویر نہ تھی۔ اس لئے مسلمؑ کے آغاز میں ان کو شبیہ رسولؐ کہا گیا اور انجام میں وہ بے پناہ شجاعت و بہادری ظہور میں آئی جس نے "اشجع الناس" سب سے بہادر انسان کے لقب کا اضافہ کیا۔

والدین — سوانح حیات کا سب سے بڑا جزو ماں باپ کی شخصیت پر بحث ہے حضرت مسلمؑ ننہیال اور ددھیال دونوں طرف سے صاحب شرف تھے۔

والد ماجد — باپ کا نام نامی عقیلؑ ہے جو اپنی فراست، حاضر جوابی، معلومات کی وجہ سے عرب میں ممتاز تھے۔ اپنے باپ کی اولاد میں وہ

خلفِ اوسط تھے۔ ان کا ہر بھائی دوسرے سے دس سال بڑا تھا۔ جنگِ بدر سے قبل رسولِ اکرمؐ کی بعثت کا ان کے اوپر کوئی اثر ظاہر نہ تھا۔ وہ اسی جادہ پر تھے جس پر خاندان کے دوسرے لوگ گامزن تھے۔ جنگِ بدر میں ان کو قید کیا گیا۔

اسیری اور اسلام

رفتہ رفتہ ماحول کی مادیت کا اثر دُور ہوا۔ قرآن مجید نے سفارش کی۔ "اے رسولؐ[1] جو قیدی تمہارے قبضہ میں ہیں ان سے کہدو کہ اگر خدا تم کو نیک دل پائے گا تو جو تم سے چھین لیا ہے اس سے کہیں بہتر تمہیں دے گا اور تمہیں بخشش بھی دے گا۔" عقیلؓ کے ساتھ عباسؓ اور نوفل بن حارث بھی اسیر تھے۔ یہ آیت[2] ان تینوں شخصوں کے بارے میں ہے۔

قیدیوں کو دیکھ کر بعض اصحاب نے کہا انہیں قتل کر دیجیے[3] اور بعض نے کہا کہ زندہ دفن کر دیجیے۔ رحمدل پیغمبرؐ نے فرمایا کہ تین حال سے خالی نہیں۔ یا یہ لوگ فدیہ دیں یا اسلام قبول کریں یا پھر قتل کیے جائیں۔ قیدیوں نے فدیہ دینا منظور کیا۔ اور ۵۰ مار سونا ہر شخص سے حاصل کر کے اس کی رہائی ہوئی۔ عباسؓ کی مالی حیثیت اچھی تھی اور عقیلؓ تنگدست تھے۔ لہٰذا عقیلؓ کا فدیہ بھی عباسؓ نے خوشی سے ادا کیا۔ کم و بیش اسی زمانہ سے حضرت عقیلؓ مسلمانوں کے دوش بدوش دینی خدمتیں انجام دینے لگے۔

علمی کمالات

آپ علم انساب کے بہت بڑے ماہر تھے۔ لغت میں ہے "عقیل بالفتح و کسر قاف پسر ابی طالب کہ داناتر بود بہ نسبتِ قریش و وقائع ایام ایشاں۔" (منتخب اللغات)

---

[1] یا ایھا النبی قل لمن ایدیکم من الاسریٰ ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیرا یؤتکم خیرا مما اخذ منکم و یغفر لکم پ ۱۰ ع ۵ [2] تفسیر کبیر جلد دوم ص ۴۰۲ کتبخانہ ممتاز العلماء
[3] تفسیر مفاتیح الغیب ج ۴ ص ۳۹۱ نسخہ کتب خانہ ممتاز العلماء۔

عرب میں چار شخص اس فن کے جاننے والے تھے۔ (۱) مخرمہ بن نوفل۔ (۲) ابوجہم بن حذیفہ عدوی (۳) حویطب بن عبدالعزیٰ عامری (۴) عقیلؑ۔ اور ان کی معلومات سب سے زیادہ تھیں۔ جناب امیرالمومنین علی بن ابی طالبؑ کا حضرت ام البنینؓ کے ساتھ عقد عقیلؑ ہی کی تجویز سے ہوا تھا۔ ان کو عرب کے ہر خانوادہ کا مکمل علم تھا۔

حسد کی وجہ خاندانِ رسالتؐ کا ہر فرد ہمیشہ اپنے خیالات میں آزاد رہا۔ عقیلؑ میں یہ بھی جوہر تھا وہ چونکہ نسبی کمزوریوں سے عرب کی واقف تھے اور قبائل عرب پر برابر نکتہ چینی کیا کرتے تھے اس لئے لوگ ان کے دشمن تھے اور خواہ مخواہ ان کو محسود بنا رکھا تھا۔ عقیلؑ کی غیر معمولی تنگدستی کا بھی یہی راز تھا کہ باہمی اختلاف کی وجہ سے ذرائع معاش ان پر مسدود تھے۔

عقیلؑ پیغمبرِ خداؐ کی نظر میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھائی کو بہت دوست رکھتے تھے۔ آپ نے بقسم فرمایا ہے کہ واللہ عقیلؑ میں تم کو دو وجہوں سے دوست رکھتا ہوں ایک تو عزیزداری کی محبت دوسرے ابوطالبؑ کا تم کو خصوصیت سے چاہنا۔ ایک موقع پر رسولِ عربیؐ نے عقیلؑ کا شکوہ بھی کیا ہے۔ ہجرت کے بعد عقیلؑ نے پیغمبرِ خداؐ کا مکان مسکونہ فروخت کر ڈالا تھا۔ جب مکہ فتح ہوا اور مرسلؐ پھر مکہ میں داخل ہوئے تو کسی نے کہا کہ اپنے گھر میں تشریف لے جائیے۔ آپ نے جواب دیا۔ عقیلؑ نے میرے گھر کو چھوڑا ہی نہیں۔

---

(۱) ھل ترک عقیل لنا دارا (مناقب آل ابوطالب جلد اول ص۳ چھاپہ بمبئی)

بھائی سے ناجائز مطالبات اور حاکمِ شام کے خزانہ سے پیہم امداد کا راز

حضرت عقیلؓ کی زندگی میں بظاہر دو پہلو روشن نہیں ہیں۔ ایک اپنے حقیقی بھائی حضرت علیؑ سے ناروا فوائد اٹھانے کی کوشش دوسرے معاویہ سے مالی مدد حاصل کرنا۔ امرِ اوّل کے معنی یہ ہیں کہ بھائی کے دورِ حکومت میں بیت المال سے ناجائز مطالبات ویسے ہی تھے جیسے مرسلؐ کے بعد عباس کا طالبِ میراث ہونا محمد حنفیہ کی امامت، امام زین العابدینؑ میں نزاع، جعفر تواب کا دعویٰ امامت ان کے مطالبات کا فائدہ یہ ہوا کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ التحیۃ والثناء ایسے عدل نواز ہیں کہ اپنے سگے بھائی کی بھی رعایت نہیں کرتے اور ان کو سخت سے سخت جواب دیتے ہیں۔

دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ عقیلؓ معصوم نہ تھے ان کے بچے فاقہ کرتے تھے۔ نہ کھانے کے لئے کچھ تھا نہ پہننے کے لئے۔ وہ اگر معاویہ کے دربار میں جا کر رقوم حاصل کرتے تھے تو اس میں کیا نقصان ہے؟ اموی سرمایہ مسلمانوں کا مال تھا اور حاکمِ شام کی حیثیت یقیناً غاصبانہ تھی۔ عقیلؓ جو کچھ بھی حاصل کرتے تھے وہ ان کا جائز حق تھا۔

عقیلؓ دربارِ معاویہ میں پہلی مرتبہ

عقیلؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے مالی فوائد کے باوجود معاویہ سے شیرانہ گفتگو کی اور ایک لمحہ کے لئے صراطِ مستقیم سے نہیں ہٹے۔ حکومت کے رعب اور دبدبہ کا ان پر کچھ اثر نہ تھا۔ پہلی مرتبہ معاویہ کے پاس ان کے جانے کا یہ واقعہ ہے کہ تہی دستی سے مجبور ہو کر بھائی کی خدمت میں آئے اور سوال کیا جناب علی ابن ابی طالبؑ نے جواب دیا کہ میں مسلمانوں کے حصّے کے ساتھ ساتھ

تمہارا حصّہ بھی دیتا ہوں تھوڑا صبر کرو۔ عقیلؑ اس وقت کچھ ایسے مضطرب تھے کہ منّت کرنے لگے۔ اس وقت جناب علی مرتضیٰؑ نے کسی آدمی کو حکم دیا کہ ان کا ہاتھ پکڑ کر بازار میں لے جاؤ اور کہہ دو کہ بازار کی دو دکانوں کے قفل توڑ کر جو کچھ ان میں ہو وہ نکال لیں۔ عقیلؑ نے حیرت زدہ ہو کر کہا کہ آپ مجھ سے چوری کرانا چاہتے ہیں۔ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ اور تم مجھ کو چور بنانا چاہتے ہو۔ مسلمانوں کا مال (تقسیم سے پہلے) میں تم کو کیونکر دے دوں۔ عقیلؑ نے کہا کہ میں معاویہ کے پاس جاتا ہوں[۱]۔ فرمایا تمہیں اختیار ہے۔

دربار شام میں عقیلؑ کے زلزلہ افگن جوابات

(۱) معاویہ ایسے دشمن خاندان رسالتؐ کے سامنے بنی ہاشم کا ایک فرد کا آجانا ضرور مسرّت کا باعث تھا بلکہ عقل بتاتی ہے کہ حاکم شام کو ایسے مواقع کا انتظار تھا کہ ان کی جماعت کا کوئی شخص رہین منت ہو چہ جائیکہ خود بڑے بھائی، معاویہ نے عقیلؑ کا خیر مقدم کرتے ہوئے ان کی آمد سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا اور حاضرین سے خطاب کر کے کہا۔

"یہ ابو زید اگر اپنے بھائی سے مجھے بہتر نہ سمجھتے تو ان کو چھوڑ کر کبھی میرے پاس نہ آتے" عقیلؑ نے برجستہ جواب دیا "میرا بھائی میرے لئے دین[۲] میں بہتر ہے اور تو دنیا میں"۔

(۲) معاویہ نے طنزیہ لب و لہجہ میں پوچھا کیوں عقیلؑ تمہارے چچا ابولہب کا اب کیا حال ہے۔؟" عقیلؑ نے کہا "وہ جہنم میں تمہاری پھوپھی حمالۃ الحطب کو روند رہے ہیں۔

---

[۱] ارجح المطالب از صواعق محرقہ [۲] اخی خیر لی فی دینی وانت خیر لی فی دنیای۔ مجمع البحرین۔

(۳) نابینا ہونے کے بعد ایک مرتبہ جو معاویہ[1] کے پاس گئے تو اس نے کہا۔ "تم بنی ہاشم بھی نابینا ہو جاتے ہو"۔ فرمایا "ہماری تو بصارت ہی جاتی رہی اور تم بنی امیہ کی بصیرت بھی جاتی رہی"۔

(۴) عقیلؓ نے بڑھاپے میں عقد کیا۔ معاویہ نے کہا "تم لوگوں میں بھی خواہش نفسانی کا کتنا غلبہ ہے"۔ جواب دیا۔ "ہاں ہمارے مردوں کو اور تمہاری عورتوں کو"۔

(۵) سب سے دشوار گذار وہ منزل تھی کہ معاویہ نے ایک صحبت قرار دی اور طے کیا کہ ہر شخص حاضرین میں سے منبر پر جا کر علی بن ابیطالبؑ کی شان میں ناسزا الفاظ کہہ کر اُتر آئے۔ جب عقیلؓ کی باری آئی تو وہ بے دھڑک منبر پر گئے اور بڑی سنجیدگی اور متانت سے کہا۔

"علی علیہ السلام پر لعنت کرنے کے لئے مجھے معاویہ نے حکم دیا ہے۔ تم سب اس پر لعنت کرو"[2] معاویہ سمجھتا رہا کہ ضمیر علیؑ کی طرف پھرتی ہے حالانکہ عقیلؓ نے اس کا مرجع خود معاویہ کی طرف قرار دے دیا۔

دشمن کی بزم میں اس شیرانہ انداز سے زندگی بسر کی اور کبھی اموئیت کے لئے حرف مدح زبان پر نہ لائے۔ معلوم ہوا کہ مالی فوائد اٹھائے تھے تو ہرگز ضمیر فروشی نہیں کی اور یہی ایک سچے "انسان کا شیوہ ہونا چاہیئے۔

تہی دستی دنیا میں بچتے تھے جب بھی ان کے فقر و فاقہ سے جناب امیرالمومنینؑ کے دل پر اثر تھا۔ اور خطبہ میں اظہار افسوس کرتے ہیں۔ "بخدا دیکھا میں نے اپنے ماں جائے عقیل کو کہ نہایت محتاج نان شبینہ کو ہو گئے ہیں اور

---

[1] ارشاد یہ چودھویں رات کا چاند [2] ملعن علی امرنی معاویۃ فالعنوہ ۱۲ منتظر

بڑی منت سے انہوں نے گیہوں اپنے حصّہ[1] سے زیادہ مانگے میں نے ان کی (آواز کی) طرف اپنے کان لگا دیئے۔"

عقیلؑ کو سزائے سخت

عدل پرور بھائی کی طرف سے بھائی کے لئے تجویز ہوئی کہ کچھ ایسا کیا جائے جو اس قسم کی خواہشات کا سدِّباب ہو جائے۔ اس محل پر خود حضرت امیرؑ فرماتے ہیں "جب وہ میرے پاس کوشش کرکے آئے اور بار بار گیہوں حاصل کرنے کے لئے کہا میں نے بگوشِ دل سُنا۔ وہ میری توجّہ سے سمجھے کہ میں ان کے ہاتھ اپنا دین بیچ ڈالوں گا اور اپنا رویہ چھوڑ کر ان کی پیروی کروں گا۔ میں ایک لوہے کا ٹکڑا آگ سے خوب لال کرکے ان کے جسم کے قریب لایا تاکہ انہیں عبرت ہو۔ یکایک وہ اس طرح چیخ اُٹھے جیسے اونٹ بیماری میں چنگھارتا ہے۔ قریب تھا کہ عقیلؑ اس لوہے سے جل جائیں تو میں نے کہا کہ تمہیں رونے والے روئیں اور صفِ ماتم پر بیٹھیں اس گرم لوہے سے فریاد کرتے ہو جس کو ایک ناچیز بندے نے گرم کر لیا تھا اور مجھے اس آگ کی طرف کھینچتے ہو جسے جبّار (وقہار) نے بھڑکایا ہے۔ تم اتنی سی اذیّت سے بے چین ہو جاؤ اور میں (آتشِ) جہنّم کی لپک سے نہ بیقرار ہوں۔"[2] یہ خبر معاویہ تک بھی پہنچی اور اس نے عقیلؑ سے کہا کہ اے عقیل تمہارے بھائی عجیب ہیں اتنے سے گیہوں کے لئے تمہیں جلائے دیتے تھے۔ عقیلؑ نے کہا۔ اے بے[1] عقل تو عبث ان کا ذکر کرتا ہے وہ خود اور ان کی اولاد اگر تنگدستی میں مبتلا نہ ہوتی تو مجھے شکایت کا موقع تھا۔ یہ کہہ کر عقیلؑ نے وہ رویہ بیان کرنا شروع کیا جو اولاد کے ساتھ تھا معاویہ خاموش ہوگیا۔

---

[1] واللّٰہ لقد رأیت عقیلا وقد املق حتی استماحنی من برکم صاعًا۔ [2] ارشاد یراز شرح ابن ابی الحدید۔

وفات

آپ کا انتقال بزمانہ معاویہ کی حکومت شام ہی[1] میں ہوا اور وہیں سپردِ خاک ہوئے۔ امیر المومنین علیؑ کی شہادت کے بعد گیارہ یا بارہ سال زندہ رہے۔ ۵۲ھ یا ۵۱ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ عمر نوّے برس سے تجاوز کر چکی تھی۔ تقریباً ۹۳ سال کا سن شریف تھا۔

حضرت عقیلؑ کا آخری مرتبہ

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ[2] نے جناب رسالت مآبؐ سے عرض کیا کہ میں آپ کے نزدیک زیادہ محبوب ہوں یا فاطمہؑ۔ پیغمبرؐ نے فرمایا وہ محبوب زیادہ ہیں اور تم عزیز زیادہ ہو گویا میں تمہارے ساتھ حوض کوثر پر ہوں اور تم وہاں سے لوگوں کو ہشیار رہے ہو۔ حوض کوثر پر آسمان کے ستاروں کے شمار میں لوٹے دار کنٹر رکھے ہیں اور تم حسنؑ حسینؑ فاطمہؑ عقیلؑ اور جعفرؑ بہشت میں ہو اور ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہو اور تم میرے ساتھ ہو اور تمہارے شیعہ بہشت میں ہوں گے۔ اس وقت آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: "دنیا کی تکلیفوں سے جو کچھ ان کے دل میں رنج تھا اس کو بھی ہم نکال دیں گے اور یہ باہم ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر اس طرح بیٹھے ہوں گے جیسے بھائی بھائی۔" (حمائل مترجمہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم صـ۴۲۲ حاشیہ نظامی پریس)

خاندان پر صدقہ حرام ہے

شیعی مسلک پیش کرنے کے بجائے مفسرین اہل سنت وجماعت کی رائے کا وزن زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ تفسیروں میں یہ بات موجود ہے کہ اصحاب ابو حنیفہ کی

---

[1] مجمع البحرین [2] ناسخ التواریخ جلد ششم

رائے ہے کہ جن پر صدقہ حرام ہے وہ آلِ عباسؓ آلِ علیؑ، آلِ جعفرؑ آلِ عقیلؑ آلِ حرث بن عبدالمطلب[۱] ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولادِ عقیلؑ میں عام مسلمانوں سے امتیاز حاصل ہے۔

نسل وخاندان جس طرح آج اولادِ ائمہ طاہرین علیہم السلام دنیا کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی ہے کیا اولادِ عقیلؑ کا بھی وجود ہے؟ اس سوال کا جواب وعظ کی مشہور کتاب ابواب الجنان کے مطالعہ سے دستیاب ہوتا ہے۔ فاضل ناصح نے کتاب زہد حضرت امیر المومنینؑ کے حوالہ سے مکارم الاخلاق طبرسی سے تحریر کیا ہے۔ لفظی ترجمہ فارسی کا یہ ہے۔ (لوگ) کہتے ہیں کہ شرف الدولہ اولادِ عقیلؑ کے تونگر طبقہ میں امیر تھا جو اپنی نجابت اور خوش مزاجی اور بلندیٔ ہمت میں بے مثال تھا ایک روز کوئی شخص اس کے پاس حاجت مندبن کر آیا اور سواری کے ساتھ چلا اور اپنی ضرورت ظاہر کی اس بڑے بھاری رئیس نے اس کی حاجت پوری کی اور جب ساتھ سے جدا ہونے لگا تو اپنے سوال کی اہمیت پر تاکید کرتے ہوئے کہا ایھا الامیر لاتنسی حاجتی اے سردار میری مراد کو فراموش نہ کرنا۔ شرف الدولہ نے جواب دیا اذا قضیتھا نسیتھا۔ میں جب کسی کی حاجت پوری کرتا ہوں تو بھول جاتا ہوں۔ (ابواب الجنان ص۲۶۴)

اس حکایت سے معلوم ہوا کہ کسی پر احسان کرکے بھول جانا چاہیئے اور اپنے اوپر کوئی احسان کرے تو وہ فراموش نہ ہو۔ ثابت ہوا کہ نسلِ عقیلؑ باقی رہی۔

---

[۱] تفسیر کبیر جلد سوئم ص۳۸۴ تقطیع کلاں کتب خانہ ممتاز العلماء، تفسیر ابن حیان ص۵۹ جلد پنجم مطبوعہ مصر۔

مادرِ حضرت مسلم بن عقیلؑ

ماں عقیلؑ کو علم نسب میں کمال حاصل تھا۔ دوسرے لوگ ان سے پوچھ کر شادی کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے لئے بہترین قوم وقبیلہ کی دختر تجویز کی ہوگی۔ ارباب تاریخ نے لکھا ہے کہ ماں مسلمؑ کی نبطیہ[1] عجمی نسل کی خاتون تھیں جن کا ایران کے فرزندی گھرانے سے تعلق تھا اور معاویہ ہی کے خزانے سے ۱ ہزار دینار[2] حاصل کر کے عقیلؑ نے ان کو خریدا تھا عرب میں بردہ فروشی کی وبا تیزی سے بڑھ رہی تھی اِدھر تو نادار طبقہ مالی ضرورتوں پر اپنی لڑکیاں لڑکے بیچ ڈالتے تھے اُدھر پیشہ ور بردہ فروش لونڈی غلام حاصل کرنے کی فکر میں ہر چہار طرف پھرا کرتے تھے۔ بسا اوقات وہ والدین کی نظریں بچا کر بچوں کو غائب کر دیتے تھے اور اس دام تزویر سے ان کی روزی فراہم ہوتی تھی اور یہ ضروری نہ تھا کہ وہ سب لڑکیاں پست اقوام کی لے آتے ہوں حضرت یوسفؑ کی طرح بڑے بڑے معزز گھرانوں کے لونڈی غلام بھی اُن کے پاس بغرضِ فروخت رہتے تھے اور قیمت کی گرانی ان کے شریف خاندان اور بلند مرتبہ ہونے کی دلیل تھی۔

ہر سخن موقع و ہر نقطہ مقامے دارد

نفسیات کے جادہ پر دلوں میں جو وسوسہ پیدا کرتا ہے ضروری نہیں

---

[1] امہ نبطیہ من آل فرزندای ۱۲ نور العین فی مشہد الحسین قاضی محمد صبغۃ اللہ قلمی کتب خانہ آصفیہ دکن - النبط جیل من العجم ینزلون لبسواد العراق [2] ایک دینار ۳ ماشہ ۳ رتی کا ہوتا ہے۔

کہ وہ انسان ہو یا جن ۔ شکوک پیدا کرنے کی صلاحیت دونوں میں مشترک ہے یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم کی آخری آیت وسواس الخنّاس الذی یوسوس فی صدور الناس اس کی شر سے بچنے کی ضرورت ہے ۔ ہجرت سے پہلے جو مجھے محبّت کی داد دیا کرتا تھا شہدائے کربلا کی سیرت نگاری پر قلم سے ایران بابت ربیع الاوّل ۱۳۶۴ھ میں اور بڑی جوشیلی تقریر سے ۲۴ر جمادی الآخر ۱۳۸۵ھ میں بھرپور تعاون کر چکا تھا ۔ کچھ ایسا ہوا کہ پورا سال بھر ہوا ہے کہ سوانح حضرت مسلم بن عقیلؑ کے ایک گوشہ پر قلم اٹھا کر دھجیاں اُڑانے کی کوشش کی ۔ میں خاموشی سے دیکھتا رہا کہ اونٹ کس کل بیٹھتا ہے ۔ قدیم تاریخ گواہ ہے کہ باہمی شمشیر زنی میں کبھی کفو (ہمسر) کا لحاظ ہوتا تھا ۔ ازدواجی رشتہ میں تو نظر انداز نہیں ہوا اگر میں جواب دیتا تو بوڑھاپے میں جوان سے تصادم کی طاقت کہاں تھی ۔ عمر بن عبدود لعن نے پیکر کفر ہوتے ہوئے جان بچانے کا حیلہ نکالا تھا کہ مجھ سے ابوطالب سے دوستی تھی وہ کافر ہوتے ہوئے اپنے ملنے والے کی شناسائی کا سہارا لے کر لحاظ کرتا ہے اور میں اپنے سے ایک بہتر معاصر کے خلفِ اصغر کے جواب میں قلم اٹھاؤں اور باہمی اختلاف کا ایک اور دروازہ کھُلے چپ رہا اور صدائے اختلاف کو گردشِ فلک کا کرشمہ سمجھا ۔ یہ ذکر ہے ۱۵ر جنوری ۱۹۷۵ء کے الایمان لاہور میں شائع ہونے والے مقالہ کا جس کے بعد ہی ایک دوسرے اخبار میں مضمون کی تعریف اور تحقیق پر نظر پڑی تو سمجھ میں آیا کہ سازش تو نہیں ہے سے

غیر کی باتوں کا آخر اعتبار آ ہی گیا
میری جانب سے ترے دل میں غبار آ ہی گیا

اب اور زیادہ برداشت کی ضرورت تھی تن تنہا کا دوہری طاقت سے مقابلہ کہاں ہو سکتا ہے ۔ گیارہ مہینے گذارے محرم کا خیر مقدم کرتے کے لئے حی لایموت نے

بیماریوں کے باوجود زندہ رکھا تو فرض ہوا کہ اس غلط فہمی کو دُور کرنا ضروری ہے
اس مضمون میں میری کتاب سوانح مسلم بن عقیلؑ کے اس جزء سے کہ عقیلؑ نے شام کا
خزانہ سے زر خرید کنیز حاصل کی اور اس کے پیٹ سے جناب مسلمؑ پیدا ہوئے۔ یہ
تاریخی غلطی اور ناقابلِ برداشت رائے ہے۔ یہ تو میرا رویہ ہے کہ ان حضرات کا
مرتبہ گرنے نہ پائے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ اپنی پوری طاقت صرف کرنے اور ۱۲ کالم
لکھنے کے بعد اقرار کرتے ہیں کہ دوسرا قول دستیاب نہیں ہوا۔ ہر مصنّف کی مشکلات
ہوتی ہیں جس کو وہی سمجھتا ہے۔ سوانح مسلم بن عقیلؑ اس خادم دین نے ۲۰ برس
پہلے لکھی اور ۱۹۷۳ء میں دوبارہ چھپی۔ تصنیف سے یہ مقصد نہ تھا کہ وہ زینتِ
الماری رہے۔ دوسرے لوگوں کے بزرگانِ دین پر جو کتابیں مارکیٹ میں موجود ہیں
ان کے پہلو میں پہنچانا تھا۔ امام ابوحنیفہ کی لائف ابوزہرہ کا ترجمہ بارہ روپیہ کو فروخت
ہوتا ہے۔ آثار شافعی کی بھی یہی قیمت ہے۔ کتاب کو لکھنؤ نظر آباد کے صدیق بکڈپو
میں لانا تھا۔ حضرت مسلمؑ کی بلند و بالا شخصیت پر بحار الانوار اور لہوف سے ماخوذ
قلم اٹھاتا تو محدود ہو کر رہ جاتی۔ ۵۲ کتابیں عربی فارسی قدیم و جدید تواریخ سامنے
رکھ کر ترتیب دی جن کے نام مصادر کے تحت میں موجود ہیں۔ ان سب کا عطر محترم
معترض کو خلافِ عقیدہ نظر آیا۔ اس شبہ کی بنیاد یہ ہوئی کہ وہ خزانہ شام کو ملکیتِ
معاویہ سمجھتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ رُوئے زمین کے تمام خزانے امام کی ملکیت ہیں اور
حقیقی قبضہ اس کا ہے اس وقت جس کے زیر تصرف ہے وہ غاصب ہے تو جس نے
بھی اس سرمایہ سے پایا وہ واقعی استنقاذِ حق تھا معترض اور مصنّف کا ایک
عقیدہ ہوتا وہ تاریخ کی روشنی میں حساب کی زحمت اٹھا کر اس رقم کا حاصل ہونا
صحیح نہیں سمجھتے تو دیگر مواقع پر حضرت عقیلؑ ایسے برادرِ بزرگ مولا کے مالی انتفاع
کا جواز کیا قرار دیتے ہیں۔ اگر خزانہ شام کو اولاد ابی سفیان کی ملکیت قرار دیتے ہیں

توجناب عقیلؑ کے خورد و نوش اور راس سرمایہ سے زندگی کی دوسری ضرورتیں مشکوک ہوجائیں گی۔ اور جناب والا کی ایک رائے کی زد میں کس کس سے انکار کرنا پڑیگا اور کس کس کو حکام جور کا کانسہ لیس کہنا پڑے گا۔ اور طرماح بن عدیؓ الیاخطیب اعظم فصحاو بلغاء کا سرتاج اس کی بھی دشمن کے دربار میں آپ کے نظریہ سے تذلیل ہوتی ہے ہرگز صحابی جلیل مولا اس زد میں نہیں آسکتا۔ وہ اس مالی مدد پر خود گفتگو کر چکے ہیں۔ دس ہزار روپیہ کو تئیس ہزار تک پہنچانا بھی زد میں آئے گا ۔ دیکھو (خلاصۃ الاخبار علامہ سید محمد مہدی استرآبادی طبع ایران ص ۹۹) ۔ ارشادیہ چودھویں رات کا چاند تاج العلماء سید علی محمد خلف رضوان مآبؒ طبع عظیم آباد وغیرہ ۔

روئے زمین کے تمام خزانے ملکیت امام ہیں۔ اور شامی حاکم کی حکم مولا سے معزولی ہوچکی ہے۔ امام برحق کے ملک میں بھائی متصرف ہوتا ہے۔ شیخ کے دل میں کیوں درد ہے؟ یہ ذاتی خیال نہیں ہے جو سوانح مسلمؑ میں سپرد قلم ہوا۔ مذہب حق کا مسلمہ ہے علی خلیفۃ اللہ فی الارض ہیں۔ واقعات بھی ساتھ دیتے ہیں۔ مامون رشید کے زمانہ میں ایک سیّد چوری کے الزام میں گرفتار ہوا اور اس نے بجائے اقرار جرم خود مامون کو چور کہا۔ امام رضاؑ نے سیّد پر حد جاری نہیں کی (سرقہ ثابت نہ ہوسکا) بری کر دیا۔ ملزم سیّد کی یہ ذاتی رائے تھی کہ مامون چور ہے۔ بلکہ اس قسم کے فرمانروا مہاجرین و انصار کے اجماع سے چور قرار پا چکے ہیں۔ تفسیر کبیر امام رازی مفاتیح الغیب اور غرائب القرآن دو اجلہ علماء اہل سنت و جماعت علامہ مفتی میر عباسؒ اپنی کتاب روائح القرآن میں لکھتے ہیں کہ جب اس شخص نے مدینہ رسولؐ میں پہنچ کر پیغمبر خداؐ کے مصلّے پر ان کی مسجد میں نماز پڑھائی اور سورہ حمد سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ترک کیا تو نادا کا المھاجرون والانصار لقد سرقت فی الصلوٰۃ جتنے مہاجر و انصار اقتدا میں تھے انہوں نے بالاتفاق کہا کہ (سرکار) نے چوری کی ایسے دنیاوی فرمانروا کو شاہ سمجھنا نہ

عقل اجازت دیتی ہے نہ عقیدہ۔ حضرت عقیلؑ کا مالی فائدہ اٹھانا اپنا حق تھا۔ محترم معترض کتب فقہ میں استنقاذ حق کی بحث دیکھیں متاخرین کہ مرجع خلق فرد شیخ زین العابدین مازندرانی وفات ۱۳۰۹ھ کا فتویٰ ہے کہ جان اور عزت کا خطرہ نہ ہو تو کافر کا مال وقت ضرورت سرقہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔

اولادِ عقیلؑ کی خدمات فتح مصر میں مجھے تسلیم ہیں جو تدوین سے پہلے مقالات میں اور اب شاملِ کتاب ہیں۔ اس کی تصریح میں کوئی ندرت نہیں۔ مذکورۃ الصدر ۱۲ کالم (جو اس وقت نظر کے سامنے ہیں) میں فاضل محترم نے تیسرے کالم میں یہ بھی تحریر کیا ہے۔

"اس سلسلہ میں ایک فاضل نے امام حسین علیہ السلام کے متعلق ۶۱۶ صفحہ کی کتاب لکھی۔ اس حجۃ الاسلام قسم کے قلمکار نے چند اردو کتابوں کے اقتباسات سے یہ طویل کتاب تیار کی جو ذوقِ مطالعہ کو کُند کرتی جا رہی ہے۔"

یہ اشارہ میری طرف نہیں ہے۔ میری کتاب سوانح مسلمؑ میں مصادر کی مکمل عربی فارسی فہرست ہے۔ صفحہ ۴ سے ۶ تک بلند پایہ کتابوں کے نام ہیں۔ صفحہ لوح (ٹائیٹل) پر نام صرف "آغا مہدی لکھنوی" درج ہے۔ حجۃ الاسلام نہیں ہے۔ ص۱۷۶ پر جو تاریخ کا نظم قطعہ ہے "مدح شہید غربت" ہر مصرعہ سے سنہ طباعت ۱۹۷۳ء واضح ہے۔ امام حسین علیہ السلام پر میری کوئی ۶۱۶ صفحہ کی ضخیم کتاب نہیں یہ کوئی دوسرا بدنصیب ہے جو زیر نظر ہے۔

آخر میں شکریہ ادا کرتا ہوں "الایمان" کی اشاعت اور ع ا غ صاحب کی فرمائش پوری نہ ہوتی تو یہ توضیح مجھے نہ کرنا پڑتی اور امام مسجد کوفہ کی مادر گرامی کی ذات پہچانی نہ جاتی۔ آخر میں امام مظلومؑ کی بارگاہ میں السلام علیک یا وارث موسیٰ کلیم اللہ عرض کر کے یہ بھی عرض کر سکتا ہوں کہ جس طرح مادر موسیٰؑ دودھ پلانے والی عورت بن کر فرعون لعین کے اخراجات پر ان کو پرورش کرتی رہیں وہ الٰہی اقتدار تھا۔ اسی طرح مادرِ

مسلمؑ کا خزانہ شام سے حاصل ہونا بنو یزیدیت پر دہ ضرب ہے جو یادگار ہے اور مالک زمین و زماں شرمندۂ احسان کسی کا نہیں۔

شہزادو! باپ کی اعلیٰ سیاست یہ تھی کہ شام کا سفر کرکے بھائی کو پہچوایا ورنہ ہندہ جگر خوار جمعیت میں علیؑ کا شناسا کوئی نہ تھا مسلمؑ نے قتل و غارت میں ابتدا نہ کرکے امامت کو پہچنوایا، کوفہ کی تنگ و تار گلیوں میں شجاعت کے جوہر دکھا کر کربلا والوں کی بہادری پر مہر تصدیق ثبت کی ان کا عزم ارادہ الٰہی کُن فیکُون کو یاد دلاتا ہے۔ ان کا عمل خلقِ محمدی کی تصویر ہے۔ ان کے پاکیزہ خون کے قطرے ہابیلؑ کے مقدس لہو اور یحییٰ بن ذکریاؑ کے خونِ ناحق سے کم نہیں ہیں۔

دنیا کے پہلے شہید فرزندِ آدمؑ کی لاش قاتل بھائی کاندھے پر رکھے ہوئے زمین پر چلتا رہا یہاں تک کہ سیاہ پوش پرند غُراب نے دفن کا طریقہ بتایا اور بھائی بھائی کے ہاتھ سے سپرد خاک ہوا۔ مگر مسلمؑ بے کس کی لاش زمین پر دشمنوں کے ہاتھ سے کھینچی گئی۔ کوفہ کا چپہ چپہ لہو کی بوندوں سے رنگین ہے۔

کتنی پاک طینت تھی وہ ماں جس کے لال نے دشمن کو پشت نہیں دکھائی۔ ظالم عبیداللہ بن زیاد پر سلام نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے لاکھوں سلام اور تحیات تیرہ سو برس سے زیادہ ہو چکے پہنچتے ہیں اور پہنچتے رہیں گے۔ اُس وفا شعار پر جس نے باطل کو کچل دیا۔ شہداء میں اوّلیت حاصل کی۔ فوج حسینی کا ہراول حرنہیں مسلمؑ ہیں۔ ان کی لائف مسلمانوں کے لئے درسِ عمل، ان کی سیرت اور زندگانی اسوۂ حسنہ، ان کی کوفہ کی گلیوں میں دست بدست جنگ کربلا کے چٹیل میدان کی جنگ سے بہت دشوار جنگ تھی۔ پہلے وہ مکر و فریب کی تیغ سے قتل ہوئے ان کے قاتلوں کو سورہ بقر کا پہلا رکوع یاد نہ تھا۔ تلاوت قرآن میں حسینؑ کی یاد تو اس وقت تازہ ہوتی ہے جب خوف اور گرسنگی اور انسانی امتحان پر اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن کی آیت

پڑھتے ہیں مگر مسلم بن عقیلؑ کے ساتھ دوست نما دشمن کا فریب قرآن کریم سے پہلے رکوع کے پڑھنے پر فراموش نہیں ہوتا۔ خدع بدترین حربہ ہے جو منافق استعمال کرتا ہے۔ حافظِ حقیقی قوم کو اُٹھتی ہوئی ان بلاؤں سے بچائے۔

حضرت مسلمؑ کا خاندان اور اس کے مشہور افراد

سیرت نگاری کا ایک اہم فرض یہ بھی ہے کہ ہم حضرت مسلمؑ کے خاندان اور ان کے گھرانے کی مخصوص ہستیوں کا بھی ذکر کریں۔ اگر کتاب کا حجم بڑھانا ہوتا تو مختصر حالات آپ کے چچا جناب جعفر طیارؑ کے بیان کئے جا سکتے تھے اور دوسرے چچا حضرت علیؑ کی سبق آموز زندگی پر بحث ہوتی، دادا کے تعارف میں جناب ابوطالبؑ کی زندگی پر قلم اٹھاتے لیکن طولِ کلام کا خوف سدِ راہ ہے۔ اور ہم خاندان کے ایک فرد کا حال لکھیں گے جو بحمد اللہ ناظرین کو سلف سے آج تک کسی کتاب میں یکجا نہ ملے گا۔

حضرت اُمّ ہانیؓ

حضرت علی مرتضٰیؑ کی بہن اور جناب مسلمؑ کی سگی پھوپی تھیں جو بنی ہاشم میں نہایت عزت دار خاتون سمجھی جاتی تھیں۔ اولادِ ابوطالبؑ میں ان کو بھی فاطمہ بنت اسدؓ کے بطن سے ہونے کا فخر حاصل تھا، نام فاختہؓ[1] اور کنیت اُمّ ہانی تھی۔ ان کی ایک دوسری بہن تھیں جن کا نام جمانہؓ تھا۔ تاریخ خاموش ہے کہ ان کا عقد کس کے ساتھ ہوا۔ بعض غیر ذمہ دار اہلسنت نے صرف اُمّ ہانی کے بارہ میں لکھا ہے۔

شادی

ایک مرتبہ خود جناب سرورِ کائنات صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ نے اُمّ ہانی کی خواستگاری کی تھی اور اُمّ ہانیؓ نے کچھ معقول وجوہ بیان

---

[1] نور الاخبار فی تاریخ النبی وآلہ الاخیار۔ [2] تفسیر ابن حیان

کر کے عذر کیا جس کو رسولؐ نے تسلیم کیا۔ شیعی روایات میں مجھے اس کا پتہ ابھی تک نہیں ملا۔ یہ گروہ مخالف کا افسانہ ہے۔ اُمّ ہانی کے شوہر کا نام ھبیرہ بن ابی وہب تھا[۱]

رسولؐ کی نظر میں احترام | حضرت سرورِ کائنات صلعم بھی ان کو بہن سمجھتے تھے اور خاص عزت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے ان کے گھر بقر عید کی نماز پڑھی تھی معراج اُمّ ہانی ہی کے گھر سے ہوئی تھی۔

(۱) تفسیر جامع البیان طبری چھاپ مصر پ۱۵ ص۳ (۲) یوسف زلیخائے جامی ص۱ (حمائل مترجمہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم)

علم و عمل | ظاہر ہے کہ اُمّ ہانیؓ علیؑ سے پیکرِ علم کی ہمشیر اور رسولؐ کی بہن ہونے کے علاوہ صحابیہ بھی تھیں لہٰذا ان کو علوم دینیہ کا خزانہ دار ہونا چاہیئے۔ کتب اخبار میں ان سے روایات بھی ملتی ہیں۔ چنانچہ حدیث غدیر من کنت مولاہ فھٰذا علی مولاہ کو انہوں نے بھی روایت[۲] فرمایا ہے اور حجِ وداع میں وہ موجود تھیں ان کے غلام کا نام ابو مرہ تھا جن سے محمدؐ بن اسمٰعیل بخاری نے روایت حاصل کی ہے۔

افتادِ طبیعت | آثارِ قدیمہ سے ان کو دلچسپی تھی۔ قومِ لوط کا تختہ الٹ دیا گیا اور ساتوں شہر برباد ہو گئے۔ اس محل پر قرآن مجید میں ہے " پھر[۳] ہم نے اس بستی کو اُلٹ کر اس کے اوپر کے طبقہ کو اس کے

۳؎ مجالس المومنین ۲؎ ادب المفرد ص۱۴ طبع قاہرہ ۱۳۷۵ھ

۱؎ تفسیر ابن حیان ص۳۹ جلد ہفتم مطبوعہ مصر ۳؎ ارجح المطالب فی مناقب اسد اللہ الغالب ص۳۳ چھاپہ لاہور ۳؎ فجعلنا عالیھا سافلھا و امطرنا علیھم حجارۃ من سجیل پ۱۴ ع ۵

نیچے کا طبقہ بنا دیا اور ان پر پتھر برسائے۔[۱]

ابن صالح[۲] راوی کا بیان ہے کہ میں نے اُم ہانیؓ کے پاس وہ پتھر بچشم خود دیکھے جن پر سرخ لکیریں جزعِ (یمانی) کی طرح بنی ہوئی تھیں۔

شجاعت میں جانتا ہوں کہ عورت کے لفظ سے شجاعت کا تعلق نہیں ہے لیکن اگر کوئی وقت پڑ جائے اور عورت دہشت زدہ ہو جائے تو کم از کم خاندانِ رسالتؐ کی خواتین اس عیب سے مبرّا ہیں فتح مکّہ میں بعض لوگوں کی نسبت پیغمبرِ خداؐ کا خاص تاکیدی حکم ہو چکا تھا کہ ان میں سے جو کوئی اور جہاں ملے قتل کیا جائے۔ جب یہ معلوم ہوا تو چند شخصوں نے اُم ہانیؓ کے مکان میں پناہ لی۔ جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہوا کہ مفرور میری بہن کے گھر میں پناہ گزیں ہیں تو اچانک بہن کے گھر میں داخل ہو گئے۔ اُم ہانیؓ نے آلاتِ حرب میں ملبوس ہونے کی وجہ سے نہ پہچانا اور بے اجازت گھر میں چلے آنے کو ایک جرم سمجھ کر اُٹھ کھڑی ہوئیں اور کلائی پر ہاتھ ڈال دیا اور کہا اے شخص میں تیری شکایت کروں گی۔ رسولِ خداؐ سے۔ جناب علی مرتضٰیؑ کا بیان ہے کہ جناب اُم ہانیؓ نے اس زور سے میری کلائی پکڑی کہ گویا ان کی انگلیاں میرے جسم میں در آئیں (جب بنت اسد کے شیر کی طاقت دیکھی) تو سر سے خود اتارا۔ اس وقت اُم ہانیؓ نے پہچانا کہ یہ تو میرے بھائی ہیں۔ بھائی کو گلے سے لگا لیا اور کہا کہ میری استدعا ہے کہ جن لوگوں نے میرے گھر میں پناہ لی ہے ان کو پیغمبرؐ کا حکم ثانی لیے بغیر قتل نہ کیجیے۔ اس عرصہ میں پیغمبرِ خداؐ بھی تشریف لے آئے۔ نماز کا وقت تھا۔ آپ نے فریضہ واجب ادا کیا۔ اُم ہانیؓ نے پناہ گزینوں کی سفارش کی۔ رحمۃ اللعالمینؐ نے

---

[۲] تفسیر کبیر صلا۶۸ سورہ حجر

فرمایا کہ بہن جن کو تم نے پناہ دی میں نے بھی ان کو پناہ دی۔

وفات تاریخ میں آپ کی وفات کا ذکر کہیں نہیں ہے۔ واقعہ کربلا تک[1] زندہ تھیں۔ البتہ امیرالمومنینؑ نے اپنی ایک صاحبزادی کا نام ام ہانی رکھا تھا اور وہ شاہزادی دشمنوں کے خوف سے مملکت رے کی ایک مسجد میں پوشیدہ رہیں اور یوسف دوالقی[2] نے ان کو ایک چشمہ کے پاس[3] قتل کر دیا۔

پرورش مسلمؑ حضرت مسلمؑ کی پرورش ان ہی گودیوں میں ہوئی جن کے کمالات ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ عام طور پر نادار ماں باپ کی اولاد چچا یا دوسرے عزیزوں کے زیر تربیت رہتی ہے مسلمؑ اور ان کے بھائی جناب امیرالمومنینؑ کے سایۂ عطوفت میں فقر و فاقہ میں پلے جن کے فقر و فاقہ کا آپ پر گہرا اثر تھا۔ ایک خطبہ میں فرماتے ہیں:

"میں نے عقیلؑ کے بچوں کو دیکھا کہ بھوک کی شدت اور محتاجی سے ایسی سیاہی ان کے چہروں پر چھا گئی ہے گویا پتیل یا وسمہ کا رنگ ان کی نازک جلد پر آگیا ہے۔"

پھٹے کپڑے اور سوکھے ہوئے خرمے کھا کر نشوونما ہوئی مگر روحانی غذا اور تعلیم و تربیت میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ تحصیل علم کے لئے باب مدینۂ علمؑ کی ذات کافی تھی اور فنون جنگ ان کا خاندانی جوہر تھا۔ بزرگوں کے آگے زانوئے ادب تہہ کر کے وہ کمال حاصل کیا کہ فرزند رسول الثقلینؐ امام حسینؑ نے اپنا نائب بنا کر ان کو ثقہ کہنے پر تیار ہوئے۔

ذاتی اوصاف اگر مسلم بن عقیلؑ کی سوانح حیات پر ہم نظر کرتے ہیں تو ان میں فرداً فرداً وہ صفتیں تھیں کہ اگر ان کو عنوان کلام

---

[1] اتحاف اہل اسلام مطبوعہ مطبع الانوار لکھنؤ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۲۸ از سیرت ابن ہشام و تاریخ خمیس و روضۃ الصفا۔ [2] شہید انسانیت طبع اوّل صفحہ ۲۴۹

[3] تنزیہ الانساب

قرار دیا جائے تو بجا ہے۔ علمی امتیاز اگر ان کو حاصل نہ ہوتا تو کوفہ کی سمت اپنا نائب مقرر کر کے ان کو روانہ کرنے کے کوئی معنی نہ تھے۔ نائب بنانے کا مقصد یہ ہے کہ اہل کوفہ کی تمام علمی ضروریات کو وہ پورا کر سکتے تھے، صفت عدالت اگر ان میں نہ ہوتی تو وہ مسجد کوفہ کی امامت کا فریضہ انجام نہ دیتے۔ اصحاب حسینؑ جو کربلا میں شمعِ امامت کے پروانہ تھے امام حسینؑ کی موجودگی کی وجہ سے ان میں کسی ایک کو یہ موقع نہ ملا کہ امام جماعت قرار پائے حضرت مسلمؑ نے کوفہ کی مسجد اعظم میں پورے دو مہینہ حافظانِ قرآن، اصحاب امیر المومنینؑ اور ایسے فقیہہ طبقہ کو نماز پڑھائی جن کی فقاہت پر خود امامؑ کے اقوال گواہ ہیں۔

زہد میں کمال اس طرزِ زندگی سے واضح ہے جو طفولیت سے قائم ہو چکا تھا۔ ان کے ترک دنیا کا اس سے بہتر کوئی ثبوت نہ تھا کہ اگر وہ کبھی طالب جاہ ہوتے باپ کی طرح تو یزید لعؑ کے دربار میں حاضر رہ کر مالی فوائد حاصل کرتے لیکن مسلمؑ کی زندگی میں ایک درہم سے بھی اموی خزانہ نے مدد نہیں دی۔

عبادت میں یہ امتیاز تھا کہ کوفہ کی مسجد پُر خلوص نماز کی گواہ ہے۔ مختارؒ کا گھر، محمد بن کثیرؒ کا مکان، ہانیؒ کا قصر، طوعہؒ کا مہمان خانہ تکبیر و تحلیل کی صدا سے معمور ہے اور زیارت میں پکار کر کہا ہے کہ آپ نے نماز قائم کی اور زکواۃ دی۔ حضرت مسلمؑ کوفہ میں قرضدار ہو چکے تھے بظاہر زکواۃ مال کا تعلق تو ان سے نہیں ہے بلکہ تزکیہ نفس کا یہ تذکرہ ہے۔

شجاعت میں وہ اس قدر شہرۂ آفاق تھے کہ کوفہ کی گلیاں آج تک ان کی جنگ کو یاد دلاتی ہیں۔ ادھر فوج ابن زیاد لعؑ کا ہر سپاہی بہادری کا کلمہ پڑھتا تھا اور ادھر زیارت میں ان کی بہادری پر صدائے تحسین و آفرین بلند ہے۔

"میں گواہی[1] دیتا ہوں کہ آپ بہادری کی اُن حدود سے گذر گئے جن پر بدر کے مجاہد فائز تھے۔"

جہاد ایسا کیا کہ مجاہدۂ نفس اور جہاد بالسیف دونوں صفتوں کو بیک وقت جمع کردیا اور زیارت میں یہ فقرہ وارد ہوا۔ "میں[2] گواہ ہوں کہ آپ نے خدا کے لئے جو جہاد کا حق تھا وہ ادا کیا۔"

قوت اتنی تھی کہ معصوم کی شہادت ہے۔ "میں[3] گواہ ہوں کہ آپ جنگ میں سُست نہیں ہوئے اور نہ بزدلی ظہور میں آئی۔" رحم ایسا تھا کہ دشمن کو قابو میں لاکر بھی قتل کرنا نہ چاہتے تھے۔ **صبر** ایسا کیا جس کی مثال صرف کربلا والے پیش کر سکتے ہیں اور بعض خصوصیات میں ان پر بھی سبقت لے گئے۔ **سیاست** میں وہ ایک اعلیٰ درجہ کے مدبّر اور جنگ کے ماہر تھے۔ کوفہ میں ان کی وہ حیثیت ہوگئی تھی کہ بات کہتے قتل کردیئے جاتے اور ان کی شہادت کی کوئی اہمیت نہ ہوتی مگر انہوں نے اپنی شجاعت کو محفوظ رکھتے ہوئے اپنے تئیں ہر محل پر بچایا اور آخر میں وہ موقع بے پناہ جنگ کا ان کے ہاتھ آیا جو روزِ قیامت تک صفحۂ تاریخ سے محو نہ ہوگا۔ کیوں نہ ہو جناب علی مرتضیٰؑ ایسے بطلِ اعظم کی نگاہیں دیکھے ہوئے تھے۔ فنونِ حرب و ضرب سے واقف تھے۔ غرض وہ تمام صفاتِ حسنہ کے مجموعہ اور کمالات کے جامہ زیب تھے۔ مجلسی علیہ الرحمہ ان کی کوفہ کی روانگی کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: "مسلم بن عقیلؑ پسر عم خود را کہ بوفور علم و عقل و تدبیر و صلاح و سداد و شجاعت و سخاوت و متانت از ہمگنان ممتاز بود۔" (جلاء العیون)۔

---

[1] اشہد انک مضیت علی ما مضی علیہ البدریون المجاهدون۔ مفاتیح الجنان۔ [2] وجاهدت فی اللہ حق جہادہ۔ منہ
[3] اشہد انک لم تہن ولم تنکل

اپنے چچیرے بھائی کو (بھیجا) جو علم کی زیادتی اور عقل وتدبر اور نیکی اور راست گفتاری اور بہادری اور سخاوت اور متانت میں سب سے ممتاز تھے

شادی

ان صفتوں کی جھلک ان میں عنفوانِ شباب سے تھی۔ جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی قدر شناس نظروں نے ان کو دامادی کے لیے منتخب کیا اور زیادہ تر بنی ہاشم میں آپس ہی میں شادیاں ہوتی تھیں ایک بھائی کی اولاد دوسرے بھائی کی شریک زندگی قرار پاتی تھی۔ مسلمؑ کی شادی اپنی صاحبزادی رقیہؑ سے کردی۔ اولادِ امیرالمومنینؑ میں دو صاحبزادیوں کا نام رقیہ تھا۔ بڑی رقیہ کو بعض مورخین آپ کی بی بی صہبا خاتون کے بطن سے اور بعض اُم حبیبہ بنت عباد بن ربیعہ بن یحییٰ بن عبد بن علقمہ تغلبیہ کے بطن سے بتاتے ہیں اور چھوٹی رقیہ کی ماں کا نام حالات میں موجود نہیں ہے۔

مسلمؑ کے حبالۂ نکاح میں رقیہ خاتون کا ہونا فریقین[۱] میں مسلّم ہے اور وہ واقعۂ کربلا میں موجود تھیں۔ فاضل شاعر رخصت علی اکبرؑ کے سلسلہ میں ذمہ دارانہ الفاظ میں کہتا ہے[ص]

چچی بھی پھوپی بھی تھی رقیہ زوجۂ مسلمؑ   پکاری آہ بھر کر دختر حیدرؑ خدا حافظ

ابوطالبؑ عقیلؑ وحمزہؑ مسلمؑ کو تمہیں سونپا   محافظ ہو تمہاری جان کا جعفرؑ خدا حافظ

رقیہ حضرت عمر بن علیؑ کی سگی بہن تھیں۔ پردیس میں رنڈاپے کی مصیبت اولاد کی شہادت واسیری کی زحمت اس خاتون کے وہ دل ہلا دینے والے مصائب ہیں جن پر تبصرہ کرنے میں قلم تھراتا ہے چونکہ وہ اولادِ علیؑ سے تھیں اس لئے ان کا

---

[۱] قاضی محمد صبغۃ اللہ بن محمد غوث حالات حضرت مسلمؑ میں لکھتے ہیں تزوج برقیہ بنت علی (نور العین صفحہ ۲۹ تنقیح المقال جلد دوم ص ۲۱۷)

[ص] یہ کلام مرزا فصیح علیہ الرحمہ کا ہے میرے نزدیک ان کی حیثیت ایک محقق کی ہے برق لامع کے حواشی ان کی تحقیق اور احتیاط کے گواہ ہیں۔

امتحان بھی سخت تھا اور ایک وہ سخت وقت آیا کہ اس شاہزادی کو جان کے خوف میں مدینہ سے ہجرت کرنا پڑی۔ کجا مدینہ اور کجا حدود ایران میں مملکت رَے۔ یہ وہی صوبہ ہے جو قتل حسینؑ کے انعام میں پسر سعد[ا] کو ملنے والا تھا۔ رقیہؓ اپنی بہن اُم ہانیؓ کے ساتھ جیسا[ا] گذرا کسی مسجد میں پوشیدہ ہوئیں اور یوسف دوانقی[ا] نے ان کو چشمہ کے کنارے لے جا کر قتل کر دیا۔ اگرچہ تاریخی حیثیت سے اس روایت کے شواہد میرے سامنے نہیں ہیں مگر یہ دیکھتے ہوئے کہ دشمن علیؑ اور ان کی طرف نسبت رکھنے والے ساری کائنات کو مٹا دینے پر تیار تھے کچھ بعید نہیں اصحاب علیؑ میں کمیل بن زیادؒ، میثم تمارؒ، رشیدؒ قتل ہو جاتے ہیں قنبرؒ غلام ہونے کی فرد جرم لگا کر ذبح ہو جاتا ہے اولاد سے تو اور زیادہ کینہ تھا۔

دوسری بی بی کنیز تھیں۔ ان کا قیام مدینہ میں تھا اور چونکہ بنی ہاشم سے نہ تھیں اس لئے واقعہ کربلا میں بھی ان کی شرکت نہیں ہوئی۔ حضرت مسلمؑ مکہ سے سفارت کے عہدہ پر فائز ہو کر چلے ہیں اور مسجد نبی میں نماز پڑھ کر عیال سے رخصت ہوئے تھے تو یہ وداع بظاہر انہیں بی بی سے ہے۔[۲]

معاویہ کے دربار میں مسلمؑ کی سخت گفتگو

حاکم شام[۳] نے جناب مسلمؑ سے ایک آراضی بہت ہی کم قیمت میں خرید لی اور آپ اس کے دام تزویر میں آ گئے۔ امام حسنؑ کو جب یہ اطلاع ہوئی تو آپ نے مسلمؑ کو اس غلطی پر آگاہ کیا۔ مسلمؑ کو غصہ آ گیا

[ا] تنزیہ الانساب [۲] تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی۔
[۲] فاقبل مسلم الی المدینہ وصلی فی مسجد النبی وودع اھلہ تاریخ کامل
[۳] ارشادیہ چودہویں رات کا چاند۔

اور طیش میں معاویہ کے پاس پہنچے اور چاہا کہ اس معاملہ کو فسخ کردیں۔ اس نے انکار کیا۔ آخر آپ نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالا اور بہت کچھ بُرا بھلا کہا۔ معاویہ ہنس پڑا اور کہا مجھے تمہارے والد یاد آگئے۔ انہوں نے ایک دن مجھ سے دس ہزار دینار طلب کیئے۔ میں نے پوچھا کیا کرو گے ؟ کہا ایک کنیز خریدوں گا۔ میں نے کہا کنیز سو دو سو کو مل جائے گی اس قدر زیادہ قیمت کی کیا ضرورت ہے۔ وہ کہنے لگے کم قیمت لونڈی اصیل نہ ہو گی۔ مجھے حسب ونسب میں نہایت بلند مرتبہ عورت کی ضرورت ہے تاکہ اس سے جو اولاد پیدا ہو وہ ایسی عالی ہمت ہو کہ موقع پر تجھ سے دب نہ سکے بلکہ تلوار تول کر تیرے سر پر کھڑا ہو اور ایک ہی وار میں تیرا سر جدا کر دے۔ آج تمہارے ٹھاٹھ دیکھ کر مجھے وہ قول یاد آگیا۔ اگر عقیلؑ اموی دولت سے سائل بن کر فوائد اٹھاتے تو ان کے یہ تیور ہرگز نہ ہوتے وہ مال مسلمین سمجھ کر سوال کرتے تھے اور معاویہ ان کو صحیح معنوں میں حقدار سمجھ کر امداد کرتا تھا۔

یہ عنفوان شباب کا واقعہ تھا۔ اسی آغاز سے مسلمؑ کے انجام کا پتہ چل رہا تھا کہ وہ کیسے بہادر انسان تھے۔ واقعۂ کربلا سے قبل بھی ان کی زندگی دلیرانہ تھی۔

واقعاتِ زندگی

جناب امیرالمومنینؑ کا انتقال ان کے عالم شباب میں ہوا۔ پھر باپ کا داغِ مفارقت اٹھایا۔ امام حسنؑ کی گوشہ نشین زندگی اور معاویہ کی شاہی تدبیر کو بھی دیکھتے رہے۔ سبطِ اکبرؑ کی شہادت زہر ہلاہل سے ہوئی اور وہ وقت آیا کہ معاویہ نے بھی یزید لعین کو قائم مقام کرکے دنیا چھوڑ دی۔ یزیدیت کی داغ بیل کے بعد بنی ہاشم کے لیئے عظیم خطرات کا سامنا ہوا اور حسینؑ ایسے غیور انسان سے بیعت کی خواہش

کی گئی۔ صبر و شکیب کا زمانہ گذر چکا تھا۔ شراب خوار کی بیعت کو نا جائز قرار دیتے ہوئے حسینؑ نے بمصلحت مدینہ چھوڑ دیا اور اپنے عزیز اور دوستوں کی ایک مخصوص جماعت کو لے کر مکّہ آ گئے۔ یہ وہی شہر ہے جہاں سے ساٹھ برس پہلے آپ کے نانا ہجرت کے موقع پر مظلوم بن کر نکلے تھے۔ مکّہ میں وہ لوگ موجود تھے جو پیغمبرؐ کی بے پناہ محبّت حسینؑ سے دیکھ چکے تھے بلکہ موسم حج ہونے کی وجہ سے وہاں اُن تمام لوگوں کا مجمع تھا جن کو حسینؑ کے پہچنوانے میں پیغمبرؐ نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا۔

یزیدی مظالم سے دنیا کو آگاہ کرنے کا امام حسینؑ کے پاس یہی ایک آلہ تھا کہ وہ حج کے مجمع میں پہنچ کر بغیر حج کئے ہوئے واپس ہوں تاکہ بچّہ بچّہ ان کی مظلومیت کا شاہد رہے اور حجاج کے تمام مجمع میں ہمدردی کی لہر دوڑ جائے۔

درحقیقت یہ پیغمبرؐ کی تعلیم تھی کہ وہ وداعی حج میں اپنی عورتیں اور بچوّں تک کو لے کر آئے اور غدیر میں اس جم غفیر کو روک کر اچانک علیؑ کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ حسینؑ بھی نانا کے نقشِ قدم پر قدم رکھ رہے تھے۔ حج آخر کے ارادہ میں تمام اہلبیتؑ کو لے کر کعبہ میں آئے اور فضا کو پُر آشوب دیکھ کر ناکام واپس ہوئے۔ جو مظلومیت کا مستقل اعلان تھا۔

دوسرا باب

حضرت مسلمؑ اور کوفہ کا سفر

ہیچ کس عزت ندارد دیارِ خویش!
آب تا در گل بود آلیست و در مینائے گلاب

بنی نوع انسان کے لیے نقل وحرکت وہ ضروری چیزیں ہیں جس کے بغیر بشری زندگی ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ اس نقل وحرکت کا ایک عنوان سفر ہے۔ سفر وحضر انسانی زندگی کے دو متضاد پہلو ہیں جن میں حضر وطنی زندگی کا اطمینان بخش گھڑیوں کا نام ہے اور سفر پردیس کی زندگی کو کہتے ہیں۔ انسان خواہ کتنا ہی صاحب ثروت ہو مگر مسافرت کے میدان میں قدم رکھ کر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کی جاہ وحشمت کچھ مدد نہیں پہنچا سکتی۔ اہل عقل نے سفر کو دنیا کی شدید ترین مواقع میں شمار کیا ہے۔ کسی حکیم کا مقولہ ہے کہ "وطن کی بے زری[1] مسافرت کے تمول سے بہتر ہے"۔ وہ لوگ جن کو مسافرت کے سرد گرم ہواؤں کا سامنا ہوا ہے اور جو غربت کے لیل و نہار سے دوچار ہوئے انہیں کے دل جانتے ہیں کہ سفر کیا ہے۔ عرب کا کوئی غریب الوطن شاعر گھر پہنچنے کی آرزو میں سفر کو قطعہ عذاب ثابت کرتے ہوئے کہتا ہے "دوزخ کا سارا عذاب[2] سفر کی تکلیفوں کا ادنیٰ ٹکڑا ہے خدا پھر مجھے وطن کی راحتیں عطا فرما۔ سفر کے وسیلۂ ظفر ہوتے میں شبہ نہیں اور سختیوں میں پڑ کر انسان کے جوہر اسے کامیابی کے زینہ تک پہنچاتے ہیں ؎

وہ پھول سر چڑھا جو چمن سے نکل گیا ؎ عزت اسے ملی جو وطن سے نکل گیا

---

[1] عسرک فی بلدک اعز من یسرک فی غربتک

[2] کل العذاب قطعة من السفر
یارب سادونی الی اوح الحضر (ربیع الابرار زمخشری)

قرآن مجید نے آوارہ وطنوں سے ہمدردی کا وعدہ کیا ہے۔ "وہ لوگ جو آوارہ وطن اور شہر بدر کئے گئے[1] اور انہوں نے میری راہ میں دکھ اٹھایا اور جنگ کی اور شہید ہوئے ان کی برائیوں سے ضرور درگزر کروں گا۔ دشت غربت کے تھکے ہوئے مسافر خیابانِ خیال میں ٹھہرائے جائیں گے جن کے درختوں کی چھاؤں میں چشمے بہہ رہے ہوں گے" آئینِ مذہب نے بھی مسافروں کو سہولت بہم پہنچانے کا بیڑا اٹھایا ہے اور خدا کی نماز ایسے محترم فریضے میں قصر کر دی، روزے کو یک قلم موقوف کر دیا، مسافر کو ابن سبیل قرار دے کے خیراتی فنڈ سے امداد کا مستحق قرار دیا۔

یہ وہ راہ ہے جس میں مرسلین کے پائے استقلال میں بھی لغزش آگئی ہے اور موسیٰ کلیمؑ جب مجمع البحرین کے دریائے سفر سے گزر رہے تھے تو ناشتہ گم ہو جانے سے ملول ہو کر پکار رے "اس سفر[2] نے بڑی تھکن پہنچائی" مشیت ایزدی اور ذاتی کمالات نے مجبور کیا کہ فرزند رسولؐ مسلم بن عقیلؑ کو اپنی بہادر اور سرفروش جماعت سے علیحدہ کریں۔ مسلمؑ نے سر اطاعت خم کیا عرب کے چٹیل میدان میں سفر اور ریگستان کی پُرخطر راہوں سے گزرنے پر تیار ہو گئے۔ گرمی کے دنوں میں بے آب وگیاہ جنگلوں سے گزرنے میں عذر نہ کیا۔

انتخاب مسلمؑ کا راز

اہل کوفہ کی استدعا کے وقت امام حسینؑ کے اہل بیت میں ایسے افراد موجود تھے جن میں سے کسی ایک کو اپنا نائب بنا کر بھیج دیتے اور مقصد تبلیغ پورا ہو جاتا لیکن امام حسینؑ نے منصب کی اہمیت کو محسوس کیا۔ ان کے گھرانے میں ایسے نوجوان بھی تھے جن

---

[1] آل عمران پ ۴ [2] لقد لقینا من سفرنا هذا نصبًا

سے منافیِ عصمت کوئی فعل ظہور میں آتے نہیں دیکھا جس کو حکم دیتے وہ عدالت کی صفت سے متصف اور اس عہدہ کا حقدار تھا۔ کسی نوعمر، ناتجربہ کار کا انتخاب نہیں کیا بلکہ حضرت مسلمؑ ایسے شخص کو (جن کا تابعی اور ثقہ ہونا طبقہ مخالف بھی تسلیم کرتا ہے) روانہ کیا۔ یہ تو اُن میں نائب امام کی حیثیت تھی، اب رہی یہ بات کہ جنگی اصول سے ان کے انتخاب کا کیا راز تھا۔ یہ بھی حیثیت کی ایک اعلیٰ سیاست ہے۔ اگر علی اکبرؑ کو بھیج دیتے تو شہزادے کے نام میں علویت کا جوہر موجود تھا۔ علی کے معنی بلند و برتر کے ہیں۔ لفظ میں وہ سطوت و جبروت موجود ہے جس سے تشدد کا پتہ چلتا ہے۔ اگر عباسؑ کو بھیجتے تو عباسؑ کے معنی شیر درندہ کے ہیں۔ ان کی بہادری اور دلیری سے عرب کا بچہ بچہ واقف تھا لوگ سمجھ جاتے کہ اس انتخاب میں جلال و قتال کے سوا کوئی اور پہلو سامنے نہیں رکھا گیا ہے لہٰذا عباسؑ کو بھی نہ بھیجا۔ مسلمؑ کو بھیجا۔ اسلام کے معنٰی گردن نہادن کے ہیں۔ مسلم کے نام پر مظلومیت برستی ہے ان کے بھیجنے کے بعد کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ حسینؑ تبلیغ دین کے پردے میں جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ انتخاب سے صاف ظاہر ہے کہ نیابت کے فرائض کو وہ ادا کر رہا ہے جو اپنے نام میں بھی تشدد کی جھلک نہیں رکھتا۔

اپنے ساتھ کربلا میں نہ رکھنے کے علل و اسباب

جس طرح حضرت مسلمؑ کو کوفہ بھیج دینا انتہائی حکیمانہ فعل تھا اسی طرح اس تصویر کا دوسرا رُخ ان کو اپنی بہادر اور دلیر جماعت سے علیحدہ کر دینا بھی حکمت سے خالی نہ تھا۔ کربلا کی جنگ دنیا کے اصولِ حرب کے بالکل خلاف لڑائی تھی۔ اگر درحقیقت وہ کربلا میں لڑنے کے لئے آتے تو فوج جمع کرتے، آلاتِ حرب فراہم کرتے، سپاہیوں کا دل بڑھاتے، سامانِ خورد و نوش

فراہم کرتے عورتوں اور بچوں کو ہمراہ نہ لاتے مگر آپ نے اصولِ جنگ کے خلاف مستقل جہاد کیا۔ قدم قدم پر اپنے قتل کی خبر دی۔ ساتھیوں کو بیعت سے باہر کر دیا عورتوں اور بچوں کو لے کر چلے۔ پانی افراط سے موجود ہوتے پر حرؑ کے رسالہ کو آتے دیکھ کر پورے لشکر کو سیراب کیا۔ جانور تک پیاسے نہ رہے۔ اپنی طاقت کو بجائے منظم کرنے کے متفرق کر دیا۔ محمد حنفیہؑ کی بہادری اور شجاعت شہرۂ آفاق تھی۔ صفین اور جمل کے میدان ان کی زلزلہ افگن جنگ کے گواہ تھے۔ اگر ہم محمد حنفیہؑ کی شجاعت پر مکمل تبصرہ کریں تو ایک مستقل عنوان درکار ہے حسینؑ کو اگر لڑنا ہوتا تو محمد حنفیہؑ ایسے بطلِ اعظم کو اپنے ساتھ رکھنے کی کوشش کرتے مگر انہوں نے اپنی مخصوص پالیسی سے محمد حنفیہؑ کو مدینہ میں رہنے پر مامور کیا۔
مسلمؑ کی شجاعت اور بہادری سے بھی واقعہ کربلا میں پورا فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ وہ کسی طرح محمد حنفیہؑ سے کم نہ تھے۔ اگر روزِ عاشورہ ہوتے تو دشمن کے ٹڈی دل فوج ان کے شیرانہ حملے سے زیر و زبر ہو جاتی اور ممکن تھا کہ فتح حسینؑ کی ہوتی اور مقصدِ شہادت پورا نہ ہوتا۔ اس لئے اپنی طاقت پر دوسری ضرب لگائی کہ ان کو کوفہ کا امام بنا دیا۔ پھر بھی نام نہاد امت کے لئے حسینؑ کو اپنے بیشہ کے شیروں سے خطرہ تھا۔ عباسؑ باقی تھے اور ان کی شجاعت کو بھی دیکھتے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ان تینوں بھائیوں میں کون زیادہ دلیر ہے۔
وہ سب ایک بیشہ کے شیر اور ایک تسبیح کے دانے تھے جن کی بہادری کو منتقل کیا جا رہا تھا۔ عہدے تقسیم ہو چکے تھے اور عباسؑ کے لئے کوئی موقع نہ تھا۔ انہوں نے بچپن سے ساتھ چھوڑا ہی نہ تھا۔ لہٰذا مشک و علم دے کر ان کی ذمہ داری کو بڑھا دیا۔ اور صرف پانی لانے کی اجازت دی۔ وقتِ رخصت

فرمایا: "بھیّا[1] جاؤ شاید تجھے پانی لے کر آسکو" (اور بچے سیراب ہوں)۔ اب حسینی فوج میں انصار کے علاوہ ایک جوان اور ایک نوجوان باقی رہ جاتا ہے۔ بھائیوں میں عون بن علیؑ جن کا حملہ تین میل تک (فرسخ) طویل تھا یہ جوان تھا اور علی اکبرؑ نوجوان، باقی بنی ہاشم لڑکے اور بچے تھے اور یہی مسلمؑ کو کوفہ بھیج دینے کی وجہ یہ تھی۔

امام حسینؑ کا خط اہلِ کوفہ کے نام

مسلم بن عقیلؑ مکہ کے دورانِ قیام میں فرزندِ رسولؐ کے ساتھ تھے اور کوفہ سے بلا مبالغہ ہزاروں خط آچکے تھے جن کے جواب میں امامؑ نے یہ طے کر لیا کہ کوفہ کی طرف بھیجنے کے لئے سب سے زیادہ موزوں وہی ہیں۔ مصمّم ارادہ کر کے اہلِ کوفہ کے نام خط لکھا:

"یہ خط حسین بن علی کی طرف سے گروہِ مومنین اور مسلمانوں کی طرف ہے۔ بعد حمد و صلوٰۃ کے (واضح ہو) ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی آخری وہ دو شخص ہیں جو تمہارے بھیجے ہوئے میرے پاس آئے اور تمہارے سب خط بھی پہنچے۔ مضامین ذہن نشین ہوئے۔ تم نے لکھا کہ ہم پر کوئی امام نہیں جو رہنمائی کرے لہٰذا کوفہ آئیے تو میں تمہاری[2] طرف اپنے بھائی اور چچا کے فرزند اور اہل بیت میں ثقہ شخص مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں اگر انہوں نے تمہارے اتحاد و اتفاق سے مجھے باخبر کیا تو میں بھی آسکتا ہوں امام نہیں ہے مگر وہ جو کتاب خدا سے حکم کرے اور عدل کے جادہ پر اس کے

---

[1] اذهب الی الفرات لعل ان تاتی بشئ من الماء (نور العین ابو اسحاق اسفرائنی ص۲۳)

[2] بعثت الیکم باخی وابن عمی وثقتی من اھلبیتی مسلم بن عقیل (تاریخ کامل ابن اثیر)

قدم ہوں اور دین راستی پر ہو اور اپنے نفس کو حدود شریعت میں قید کرے۔

روانگی یہ خط لکھ کر مسلم بن عقیلؑ کو طلب کیا اور تقویٰ اور پرہیزگاری کی وصیت کرکے فرمایا کہ لوگوں سے محبت کے ساتھ پیش آنا اور اگر کوفہ کے لوگ میرے دوست صادق نظر آئیں اور ان کے دل مکر و فریب سے خالی ہوں تو مجھے اطلاع کرنا تاکہ ان کی دعوت قبول کرنے میں جلدی کروں۔ قیس بن مسہر صیدادی اور عمارہ بن عبداللہ سلولی اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ ازدی کو جو کوفہ سے پیشوائی کے لئے آئے تھے حضرت مسلمؑ کے ساتھ کیا۔ یہ واقعہ ۱۵ ماہ رمضان المبارک سنہ ۶۰ھ کا ہے۔ اسی تاریخ سبط اکبر امام حسن علیہ السلام کی ولادت تھی جس سے ظاہر ہے کہ فرزند رسولؐ نے بھائی کو نیک تاریخ میں کوفہ روانہ کیا۔

سفر میں پہلا شگون بد پہلی منزل کو طے کیا تھا کہ داہنی طرف سے ایک شکاری نظر آیا جو ہرن کے تعاقب میں گھوڑا ڈالے آرہا تھا اور اس نے تیزی سے آہو کو گرفتار کرکے ذبح کیا۔ فطرت کا تقاضہ ہے کہ اس فالِ بد سے ہر مسافر کا دل کھٹک جائے۔ آپ کے دل میں بھی ایک خوف محسوس ہوا اور بدشگونی سمجھ کر واپس آگئے۔ اور امامؑ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا کہ میرے خیال میں یہ سفر مبارک نہ ہوگا اور آپ جو چاہتے ہیں اس کی تکمیل مشکل ہے۔ حضرتؑ نے جواب دیا کہ بھائی اگر ڈر کے پلٹ آئے ہو تو کچھ مضائقہ نہیں میرے ساتھ رہو میں کسی دوسرے کو بھیجتا ہوں۔ مسلمؑ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں نے جو کچھ مشاہدہ کیا تھا اس کو اپنا فرض سمجھ کر آپ کو اطلاع کی (اگر یہی حکم ہے)

اور آپ فرمائیں تو میں دریا[1] میں کود پڑوں اور آگ کے شعلوں سے گذر جاؤں تو مجھے عذر نہیں۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ یہ آخری زیارت نہ ہو۔ میں صرف آپ کو ایک نظر دیکھنے کے لئے آیا۔ یہ کہہ کر امامؑ کے ہاتھ اور پیروں پر بوسہ دے کر شدت سے روئے اور کہا مجھے یہ سامان نظر آتا ہے کہ اب زیارت نہ ہو گی۔ امام حسینؑ نے آبدیدہ ہو کر گلے سے لگایا اور سمجھا کر رخصت کیا۔

دوبارہ رخصت ہونے کا ایسا گہرا اثر دل پر ہوا کہ کسی طرح آنسو نہ تھمتے تھے۔ جو پوچھتا تھا کہ آخر رونے کا کیا سبب ہے تو فرماتے تھے کہ امامؑ کی مفارقت میں روتا ہوں۔ منزلیں طے کرتے ہوئے مدینہ[2] پہنچے۔ مسجد نبوی میں پہنچ کر نماز پڑھی اور متعلقین سے رخصت ہوئے۔ قبیلہ بنی قیس کے دو شخصوں کو بغرض راہبری اجرت[3] پر طے کر کے غیر آباد راستوں سے روانہ ہوئے۔ موسم کی صعوبت اور بے آب وگیاہ جنگلوں سے گذرنے کی سختی میں راہ بھول گئے۔ پیاس سے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ ساتھیوں کی حالت زیادہ خراب تھی۔ دونوں رفیق سفر باوفا تھے۔ آخر تک اپنے فریضہ پر باقی رہنا چاہتے تھے۔

دوسرا شگون بد

حالت پیاس سے زیادہ خراب ہوئی مگر پانی کے لئے ایک سمت اشارہ کر کے دونوں جاں[4] بحق تسلیم ہو گئے۔ آپ افتاں و خیزاں اشارہ پر چلے اور گاؤں میں پہنچ کر جس کا نام مضیق تھا، پانی سے سیراب ہوئے۔ پہلی مرتبہ ہرن کا ذبح ہونا اور پھر ساتھیوں کی موت، دل پر ایک چوٹ پڑی اور فال نیک نہ سمجھ کر امامؑ کی

---

[1] ناسخ التواریخ　[2] اصابہ فی تمیز الصحابہ و تاریخ کامل
[3] ارشاد شیخ مفید　[4] ارشاد

خدمت میں خط لکھا:۔

"امابعد دو شخصوں کو راہبر قرار دے کر مدینہ سے نکلا جو اثناء سفر میں راستہ بھول گئے اور پیاس کا غلبہ ہوا، دونوں ہلاک ہو گئے۔ آخر کسی طرح ہم اپنی جانیں بچا کر پانی تک پہنچے۔ یہ شگون بھی اچھا نہیں ہے۔ مجھے اس خدمت سے معاف فرمائیں اور کسی دوسرے شخص کو بھیج دیجیئے۔"

(آپ کا مسلم)

یہ خط روانہ کر کے جواب کے انتظار میں ٹھہرے رہے۔ تاآنکہ جواب موصول ہوا اور جبین نامہ پر شکن دیکھ کر کمر ہمت مستحکم کرنا پڑی۔

خط کا مضمون

"حسینؑ کی طرف سے ان کے چچا زاد بھائی مسلمؑ کو معلوم ہو کہ استعفیٰ کا خط دیکھ کر مجھے خوف پیدا ہوتا ہے کہ اس سفر سے تم کو بزدلی تو نہیں روکتی۔ جس سمت میں بھیج رہا ہوں اُدھر جاؤ۔ بھائی میں نے اپنے نانا سے سُنا ہے کہ ہم اہلبیت بدشگونی کو نہیں مانتے لہٰذا اس خط کو پڑھ کر میرے حکم کی تعمیل کرو۔"

جناب مسلمؑ ایک غیر معصوم انسان ہونے کی وجہ سے قدم قدم پر ڈرتے نہ تھے بلکہ ان کے خوف کا سارا راز امامؑ کے فیوض سے محروم ہو جانے میں مضمر تھا۔ ان کے دل کو یقین تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ پس اسی بات کا سارا ملال تھا۔ انہوں نے بچپن سے کبھی ساتھ نہ چھوڑا تھا ہمیشہ ساتھ رہے اور ساتھ پرورش پائی۔ سفر ان کی زندگی میں پہلا موقع تھا۔ امامؑ بھی اس کو محسوس کرتے تھے ورنہ ممکن تھا کہ پہلی مرتبہ کی معذرت پر کسی اور شخص کا انتخاب عمل میں آتا۔ حسینؑ بن علیؑ کو یقین تھا کہ یہ وقتی اضطراب ہے سختی میں پڑ جاتے کے بعد مسلمؑ سے زیادہ کوئی مستقل مزاج نہ ہوگا۔

خط کے تہدید انگیز فقرات دیکھ کر ان کے عزائم میں پختگی پیدا ہوگئی اور کوفہ نہ جانے کے خیال کو ہمیشہ کے لئے دل سے نکال دیا۔

کوفہ میں داخلہ رفیق ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ اب تن تنہا سفر کیا اور مضیق سے روانہ ہوئے۔ عید کا چاند راستہ میں دیکھا۔ ۵ شوال کو نصف شب کے بعد منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ مختار[ؒ] کے گھر میں قیام کیا[۱]۔ اس گھر کو شیخ مفید علیہ الرحمہ کے زمانہ میں دار مسلم بن مسیّب کہتے تھے۔ صبح کوفہ میں یہ خبر بجلی کی طرح دوڑ گئی کہ امام حسینؑ نے اہل کوفہ کی دعوت پر لبیک کہہ کر اپنے بھائی کو بھیج دیا لوگ جوق جوق بیعت کے لئے آنا شروع ہوئے۔ جناب مسلمؑ نے امامؑ کا خط پڑھ کر سنایا اور مشروط آنے کے وعدہ سے اطلاع دی۔ کوفہ کا بچہ بچہ منتظر تھا۔ لوگ فرط مسرت سے رونے لگے اور سلسلہ بیعت ۱۸ ہزار آدمیوں تک پہنچا۔ حاضرین میں عابس شاکری نے خدا کی حمد و ثنا کی اور اٹھ کر کہا کہ میں لوگوں کے دل کا حال تو جانتا نہیں، اپنی جان پر اختیار ہے جب مجھے پکاریئے گا تو جواب دوں گا۔ اور اپنی تلوار سے آپ کے دشمنوں کا قتل کروں گا یہاں تک کہ خدا سے ملاقات ہو۔

حبیب بن مظاہرؓ اٹھا اور اس کی طرف نظر کر کے کہا خدا تجھ پر رحمت نازل کرے جو فرض تھا وہ تو نے ادا کیا میں بھی اسی جادہ پر ہوں۔" پہلی نشست سے جو بیعت شروع ہوئی تو یہ مجموعی تعداد ۱۸ ہزار نفوس تک پہنچی اور حضرت مسلمؑ نے بیعت لی۔ یہ رفتار دیکھ کر تمام حالات سے فرزند رسولؐ کو مطلع کیا اور آخر نامہ میں یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ "اگر دل چاہے تو کوفہ کی طرف تشریف لایئے۔"

---

[۱] تاریخ کامل ابن اثیر اور بروایتے سلیمان بن صرد کے گھر میں ٹھہرے اور اصابہ میں ہے کہ مسلم بن عوسجہ میں قیام کیا

تیسرا باب

بصرہ میں حسینی پیغام نامہ بر کا قتل

مسلم بن عقیلؑ کا خط امامؑ کی خدمت میں پہنچا اور جب صورت حال معلوم ہوئی تو آپ نے اتمام حجت اور حلقۂ اثر وسیع کرنے کے لئے ایک خط بصرہ کے مومنین کو لکھا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

یہ خط ہے حسین بن علی کی طرف سے بعد حمد و صلوٰۃ کے معلوم ہو خدا نے محمدؐ کو تمام عالم پر برگزیدہ اور نبوت سے معزز کیا اور ان کو رسالت کا شرف عطا فرمایا اور دنیا سے اس وقت اٹھایا جب وہ بندگانِ خدا کی نصیحت سے فارغ ہو چکے اور اپنے رب کی رسالت پہنچا چکے تھے۔ ان کے بعد ان کے اہل بیت اور خاندان کے منتخب لوگ قائم مقامی کے زیادہ حقدار ہیں مگر ہم پر ایک جماعت حاکم بن بیٹھی مصلحت نے ہم کو مجبور کیا کہ (دنیوی حاکم) مان لیں اور فتنہ کو دبانے اور طلب عافیت کے لئے ہم راضی رہے۔ میں تمہاری طرف یہ کتاب بھیجتا ہوں اور خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ تم یاد رکھو کہ سُنتِ رسولؐ کو مُردہ کر دیا گیا ہے۔ اگر تم نے میری دعوت پر لبیک کہا اور اطاعت قبول کی تو رشد و ہدایت کے راستہ پر پہنچو گے۔

والسلام"

یہ خط آپ نے اپنے غلام سلیمانؒ جس کی کنیت[1] ابو رزین تھی کے ہاتھ روانہ کیا اور حکم دیا کہ جلد اس خط کو بصرہ پہنچا دے سلیمانؒ حسب فرمان بصرہ آیا اور احنف بن قیس منذر بن جارود، یزید بن مسعود نہشل، قیس بن ہیثم اور دوسرے لوگوں کو خط دیا۔ یزید بن مسعود نہشلی کو امام سے غیر معمولی عقیدت تھی۔ انہوں نے بنی تمیم اور بنی حنظلہ اور بنی سعد کے لوگوں کی ایک کمیٹی کی اور معویہ کی موت، یزید کی مداخلت فی الدین اور بدکاری کا اعلان کرتے ہوئے امام حسینؑ کے اوصاف اور آپ کا احق بالخلافت ہونا بیان کر کے کہا خدا کی قسم کوئی ایک بھی اگر ان کی نصرت میں کمی کرے گا تو خدا اس کی اولاد تک کو ذلیل و رسوا کرے گا اور قبیلہ کے لوگ ختم ہو جائیں گے۔ میں نے تو لباس حرب پہن لیا۔ بنی حنظلہ نے یہ تقریر سن کر جواب دیا کہ اے ابو خالد ہم تمہارے ترکش کے تیر ہیں۔ اگر ہم کو کمان سے رہا کرو گے تو ہم نشانہ پر ضرور پہنچیں گے۔ اگر دریا اور آگ میں ڈال دو گے تو واپس نہ ہوں گے۔

---

[1] بروایت ابن نما پیامبر کا نام ذراع سدوسی ہے اور مولف ریاض المصائب کی تحقیق ہے کہ اس کا نام دراع تھا اور وہ امام کا برادر رضاعی ہونے کا فخر بھی رکھتا تھا

یہ مسلّم حقیقت ہے کہ امام حسینؑ نے بجز حضرت فاطمہ زہراؑ کسی کا دودھ نہیں پیا۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک طرف تو عبداللہ بن لیقطر کو دودھ شریک بھائی کہا جاتا ہے، پھر دارع بھی برادر رضاعی تھے۔ یہ سب غلط فہمی ہے جس میں راوی جادۂ حقیقت سے دور ہو گئے۔ ظاہر نظر میں اس نامہ بر کا نام دادع یا ذراع تھا جو خط پہنچا کر ایلچی ہونے کے جرم میں قتل ہوا اور سلیمان کو یہ عہدۂ تفویض نہیں ہوا۔ سلیمان واقعۂ کربلا میں روز عاشورہ شہید ہوئے۔

بنی سعد بن یزید نے کہا کہ تمہاری مخالفت سے زیادہ مجھے کوئی چیز بُری نہیں معلوم ہوتی۔ ہم تمہارے حکم کے خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھائیں گے۔

بنی عامر بن تمیم نے کہا کہ اے ابوخالد ہم تمہارے آباؤ اجداد کی اولاد اور تمہارے حلیف ہیں لہٰذا ہم ساتھ ہیں۔

ابوخالد نے کہا اے بنی سعد اگر تمہارے قول و فعل یکساں ہیں تو ضرور خدا تمہاری مدد کرے گا۔

بصرہ کے نمودار لوگوں میں کوئی باقی نہ رہا جس نے فرطِ شوق میں امامؑ کا خط نہ پڑھا ہو۔ صرف منذر بن جارود[۴۳] کو اس خط سے کوئی دلچسپی پیدا نہ ہوئی۔ وہ یزید کا صحبت نشین اور ابن زیاد[۴۴] کا خسر تھا۔ بصرہ کی حکومت اس وقت ابن زیاد ہی کے ہاتھ میں تھی۔ ایسے جابر اور دشمنِ خاندانِ رسالت[۴۵] حاکم کی رعایا میں فرزندِ رسولؐ سے اتنی ہمدردی باقی رہنا تعجب ہے اور یہ ان کی انتہائی عقیدت تھی کہ فوراً جواب کے لیے قلم اٹھالیا۔

(آقائے کونینؑ) آپ کا خط پہنچا اور کاشفِ احوال ہوا۔ خدا نے کبھی زمین کو خالی نہیں چھوڑا ایک ایسے عالم سے جو نیکیوں کو بجالائے۔ نجات کا راستہ دکھائے۔ یقیناً آپ خدا کی حجت اس کی مخلوق پر ہیں آپ شجرِ احمدی کی سربلند شاخ ہیں مرسلؐ اصل تھے اور آپ فرع (آپ ادھر تشریف لائیں تو) بنی تمیم کی گردنیں آپ کے سامنے جھکی ہوئی ملیں گی اور وہ جس طرح پیاسا اونٹ پانی کی طرف دوڑتا ہے اس سے بھی تیز آپ کی سمت دوڑیں گے۔ بنی سعد بھی مطیع و منقاد ملیں گے۔ میں نے ان کی دلی مخالفت کو سحابِ نصیحت کے چھینٹوں سے دھو کر چمکا دیا ہے۔"

جب یہ نامہ امامؑ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے دل سے دُعائے خیر کی اور

کاتب کے لئے فرمایا "خدا تجھے بے پناہ ڈر اور دہشت کے دن اپنے امن و امان میں رکھے اور تشنگی کے دن پیاس بجھائے۔"

پہلی قربانی

ابو خالد خط کا جواب لکھ کر حلقۂ ارشؔ کی تنظیم میں مصروف ہوئے۔ عرب میں پیامبر کا غیر معمولی احترام کیا جاتا تھا۔ ان کو ہرگز یہ امید نہ تھی کہ حسینؑ بن علیؑ فرزند رسولؐ کو کوئی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھیگا۔ مگر منذرؔ کی خفیہ ریشہ دوانیوں سے کسی طرح نامہ بر ابن زیادؔ کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اس نے نامِ حسینؑ سنتے ہی حکم دیدیا کہ ایلچی کو قتل کر دیا جائے۔ شہادت کے بعد یہ مردِ دیندار سُولی پر چڑھا دیا گیا[1]۔ اسلام میں یہ پہلا موقع ہے کہ نامہ بر قتل ہوا۔ اِس قتل کے بعد ابن زیادؔ نے خطبہ پڑھا۔ اور بصرہ میں صرف ایک شب قیام کے بعد اپنے بھائی کو چارج دے کر کوفہ روانہ ہوا۔ اہل بصرہ سے ہم کو شکایت ہے کہ اس نامہ بر کا نشان قبر باقی رکھا ہوتا تو حسینؑ کے زائر قبر پر عقیدت سے پھول چڑھاتے۔ واقعۂ کربلا میں اہل بصرہ نے کیا کیا؟ لشکر لے کر اس وقت پہنچے کہ راستہ سے شہادتِ عظمیٰ کی خبر[2] سُنی اور بے نیل و مرام واپس ہوئے۔ مورخین نے تو لکھا ہے کہ "لا جرم[3] بار بکشودند و بسوگواری نشستند۔" لیکن امام جعفر صادقؑ کو ان کے شریکِ غم نہ ہونے کا بھی شکوہ ہے اور آپ نے ایک حدیث[4] میں فرمایا ہے کہ امام حسینؑ پر وہ چیزیں جو مشاہدہ میں ہیں اور جن کو باصرہ دیکھ نہیں سکتا سب روئے مگر تین مقامات نہیں روئے اہل بصرہ، دمشق، اولاد حکم بن ابی عاص۔

سلہ ریاض المصائب عربی چھاپا   سلہ ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۱۸۱

سلہ مجبوراً بند جاہو اسامان کھول دیا اور شہیدوں کی یاد میں گریہ وزاری شروع کی۔
سلہ ناسخ التواریخ جلد ششم صفحہ ۳۸۲

چوتھا باب

حضرت مسلمؑ کے مشکلات
ابن زیادؑ کا بصرہ سے کوفہ کو تبادلہ

امیر المومنینؑ کی تبلیغ کا کوفہ میں خاصہ اثر تھا۔ وہاں لوگ جمعہ و جماعت کے شائق تھے وہ حکام جور کے مقرر کئے ہوئے عاملوں کے پیچھے نماز پڑھنے پر تیار نہ تھے۔ نماز جمعہ اور عیدین بھی ان سے ترک تھی۔ خطوط میں اپنے دینی تکالیف کا اظہار کر چکے تھے۔ حضرت مسلمؑ کے پہنچتے ہی کوفہ میں وہ علمی آثار نظر آنے لگے جو دورِ امیر المومنینؑ میں تھے۔ گروہ مخالف پر یہ رونق بہت شاق تھی۔ اور وہ چاہتے تھے کہ حضرت مسلمؑ کا اثر عوام میں نہ پھیلے حکومت سے مدد لینے کے بعد حضرت مسلمؑ کا وقار گھٹ سکتا تھا۔ لیکن کوفہ کی عنان نعمان بن بشیر کے ہاتھ میں تھی اور اس کی مرنجاں مرنج پالیسی سے کوئی فائدہ اٹھانا ممکن نہ تھا۔ یزیدؑ کے ہوا خواہوں نے نعمان سے اپنا رویہ بدلنے کی خواہش کی نعمان نے جواب دیا کہ میں معصیت خدا میں سخت ہونے سے طاعت الٰہی میں کمزور کہے جانے کو پسند کرتا ہوں۔ عبداللہ بن مسلم بن ربیعہ حضرمیؑ نے یزیدؑ کو خط لکھا کہ مسلمؑ کوفہ پہنچ گئے ہیں اور شیعیانِ کوفہ اُن سے بیعت کر رہے ہیں۔ اگر کوفہ کو اپنے زیر انتظام رکھنا ہے تو ایک ایسا بااقتدار شخص مقرر کر جو تیرے احکام کی تعمیل کرے۔ نعمان بن بشیر ایک ضعیف شخص ہے جس کا نگاہوں میں کوئی وقار نہیں ہے۔ یہ پہلا خط تھا جو قتل حسینؑ کی تحریک میں یزیدؑ کو ملا۔ عمر ابن سعد بن وقاصؑ اور عمارہ بن عقبہؑ نے بھی اسی مضمون کے خطوط بھیجے اور یزیدؑ نے غور کرنا شروع کیا کہ کوفہ کی عنانِ حکومت کس کے ہاتھ میں دیجائے۔

سرجونِ رومی معاویہ کا ایک ادنیٰ غلام تھا۔ رفتہ رفتہ ترقی کر کے وزارت کی کرسی تک پہنچا۔ یزیدؑ نے اپنے دورِ حکومت میں اس کے عہدہ کو باقی رکھا

اور یہ تمام خطوط سرجون کے سامنے ڈال دیئے اور کہا تیری کیا رائے ہے حکومت کوفہ کس کو دی جائے۔ سرجون ابن زیادؑ کا نام لینا چاہتا تھا لیکن یزیدؑ کو ابن زیادؑ سے کچھ شکائتیں پیدا ہو چکی تھیں۔ اس لئے ظاہر بظاہر تو نام نہ لیا اور یزیدؑ سے پوچھا کہ اگر اس وقت معاویہ زندہ ہو کر تیرے سامنے آجائے تو کیا باپ کا کہنا مانے گا۔ یزیدؑ نے جواب دیا۔ میں یقیناً حکم کی تعمیل کروں گا۔ سرجون نے جیب سے ایک تحریر نکالی اور کہا یہ معاویہ کا عہد نامہ ہے۔ وہ کوفہ کی حکومت ابن زیادؑ کے نام لکھ چکا ہے۔ یزیدؑ نے اس تجویز کو پسند کیا اور اسی وقت ابن زیادؑ کو لکھا:

"میرے دوستوں نے خبر دی ہے کہ فرزند عقیل لشکر جمع کر رہے ہیں، تاکہ مسلمانوں کو پراگندہ کریں لہٰذا خط کو پڑھتے ہی کوفہ روانہ ہو اور انہیں اس طرح ڈھونڈ جیسے (گمشدہ) جواہر کی تلاش کرتے ہیں (مسلمؑ مل جائیں تو) ان کو قتل کر دے یا کوفہ سے باہر کر دے۔"

یہ خط مسلم بن عمر باہلیؑ کے ہاتھ روانہ ہوا اور دوسرا خط اس سے بھی سخت الفاظ میں لکھا:

"امّا بعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ اہل کوفہ حسین بن علی سے بیعت کر رہے ہیں۔ میں نے جو خط لکھا ہے اس پر جلد عمل پیرا ہو اور اس خط کے پڑھتے ہی فوراً بصرہ چھوڑ دے (روانگی میں) سستی اور کاہلی نہ ہو (میں چاہتا ہوں علی کی نسل میں ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑ) اور مسلمؑ کو قتل کر کے ان کا سر میرے پاس روانہ کر دشمن نہ۔ قلع قمع کرنے کے لئے میرے ترکش میں تجھ سے زیادہ کامیاب تیر نہیں ہے جو نشانہ سے خطا نہیں کر سکتا۔"

جب یہ خط بصرہ پہنچا تو ابن زیادؑ کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ بصرہ تو زیر انتظام تھا ہی اب کوفہ پر بھی حکومت کا اختیار حاصل ہوا۔ اعلان کیا کہ

اہلِ بصرہ مسجد میں جمع ہوں۔ ابن زیادؔ منبر پر گیا اور کہا:

اے اہلِ بصرہ یزید خلیفۂ وقت نے مجھے کوفہ کا حاکم بنایا ہے اور میں کوفہ جا رہا ہوں اپنا قائم مقام اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو کرتا ہوں تم اس کے احکام کی تعمیل اور اطاعت کرنا اگر میں نے سُنا کہ تم میں سے کسی نے اس کی مخالفت کی تو اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

ابن زیادؔ یہ خطبہ پڑھ کر منبر سے اُتر آیا اور سامانِ سفر مہیا کر کے مع خدم و حشم کوفہ روانہ ہوا مسلم بن عمر باہلیؔ اور منذر بن جارود عبدیؔ اور شریک بن اعور حارثیؒ ابن زیادؔ کے ساتھ تھے۔

(نوٹ) ابن زیادؔ اور شریک بن اعور حارثیؒ کا ساتھ غالباً راستہ تک رہا اور شریکؒ نے دار الامارہ میں قیام کے بجائے ہانیؒ کے گھر میں قیام کیا اور کوفہ پہنچ کر وہ بیمار پڑ گئے۔

ابنِ زیادؔ کوفہ میں

ابن زیادؔ کی شان یہ ہے کہ سر پر سیاہ عمامہ جسم میں سفید قبا اوپر سے جنگی جبہّ اور چادر اوڑھے ہوئے منہ پر ڈھاٹا باندھا ہوا کمر میں تلوار کاندھے پر کمان خچرّ پر سوار ہاتھ میں چھڑی لئے ہوئے جمعہ کے دن نماز کے وقت داخلِ کوفہ ہوا۔ بیرونِ شہر پہنچ کر سواری سے اُتر کے کسی قدر آرام کیا۔ اہلِ شہر کو خبر ہو گئی کہ بیرونِ شہر ایک قافلہ اترا ہے جو ہو نہ ہو حسینؑ کا لشکر ہے۔ اہلِ کوفہ عورتیں و مرد جمع ہوئے اور کوفہ میں بے چینی کے ساتھ امامؑ کا انتظار شروع ہوا۔ دو گھنٹہ رات جب گذر گئی تو ابن زیادؔ اپنے ساتھیوں کے بیچ میں آکر داخلِ شہر ہوا۔ شب ماہ اور چاندنی چھٹکی ہوئی تھی مگر ابن زیادؔ نے اپنی ہیئت کو ایسا بدل دیا تھا کہ کوفہ والوں کو پہچاننے میں دیر ہوئی۔ ہر

شخص یہی سمجھا کہ امام حسینؑ تشریف لے آئے۔ زبانوں پر "فرزند رسول مرحبا" کی صدائیں جاری ہوئیں۔ عورتیں قسمیں کھا کھا کر کہہ رہی تھیں کہ مرسل زادہ یہی ہے۔ دل کے جذبات زبان تک پہنچ رہے تھے اور ہجوم میں یہی سنائی دے رہا تھا "ہم چالیس ہزار آپ کے ساتھ ہیں" ابن زیادلعؐ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا بمصلحت اس نے بجز جواب سلام کسی سے بات نہیں کی۔ جب دارالامارہ کے قریب پہنچا اس وقت بھی نعمان بن بشیر کو حاضرین نے یہی خبر دی کہ امام حسینؑ آگئے۔ نعمان نے نگہبان کو حکم دیا کہ دروازۂ قلعہ بند رہے۔ اور آدھی فوج پھاٹک کے سامنے اور آدھا لشکر کوٹھوں پر چڑھ جائے۔ جب دارالامارہ کا دروازہ نہ کھلا تو مجمع نے نعمان کو سخت سست الفاظ کہنا شروع کئے۔ نعمان نے اسی خیال کے تحت میں بالائے قصر سے پکار کر کہا "یا ابن رسول اللہ دروازہ کھلوانے سے باز رہیئے میں آپ سے جنگ نہ کروں گا۔ دارالامارہ میں آپ کا ٹھہرنا مناسب نہیں"

ابن زیادلعؐ نے نقاب اُلٹ دی اور کہا کہ "اے نعمان رات زیادہ آچکی ہے دروازہ کھول دے" ابن زیادلعؐ اپنی خاموشی سے پورا فائدہ اٹھا چکا تھا اور امام حسینؑ کے اثرات کا اندازہ تو کر ہی لیا تھا۔ آخر اس راز کو فاش ہونا تھا۔ آواز سنتے ہی کوفہ کے ایک شخص نے پہچانا کہ یہ تو ابن زیادلعؐ ہے اور پکار کر کہا۔

حاضرین! اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ تو ابن مرجانہلعؐ ہے۔ یہ سننا تھا کہ لوگ پراگندہ ہونا شروع ہو گئے۔ اور نعمان نے آواز پہچان کر دروازہ کھولا اور ابن زیادلعؐ دارالامارہ میں داخل ہوا۔

صبح کو جامع مسجد میں لوگوں کو دعوت دی گئی اور کوفہ کے لوگ سمٹ

آئے۔ وہ سادہ لوحی سے اب بھی یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم حسین بن علی کے زیر قیادت ہیں۔ ابن زیاد[لعین] نے خطبہ میں پوچھا کہ اے اہل کوفہ تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ کہا ہاں! آپ حسین بن علی ہیں۔ کہا میں حسین نہیں ہوں، عبید اللہ ابن زیاد یزید کی تلوار ہوں۔ اپنے تعارف کے بعد کہا امیر المومنین یزید نے مجھ کو تمہارے شہر کا حاکم قرار دیا ہے کہ مظلوم کا انصاف کروں اور محروم کو اس کا حق عطا کروں اور رعیت پر باپ کی طرح شفقت کروں۔ میرا تازیانہ اور تلوار اس شخص کے لئے ہے جو مخالفت اور عہد شکنی کرے۔

اس خطبہ کے بعد شہر کے سربرآوردہ لوگوں کو حکم دیا کہ حاضر ہوں اور یزید[لعین] کے مخالفین میں ہر شخص کے نام لکھے جائیں (اس اطلاع کے بعد) جس کی مخالفت کا علم ہو جائے اس کو گھر کے دروازہ پر سولی دے دیں اور اس کے مال و اسباب کو لوٹ کے عورتوں کو قید کر لیں، اس قرارداد کے بعد ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ عرب کے قبیلوں میں جا کر ندا کرے کہ یزید کی بیعت میں داخل ہو اور وہ وقت نہ آئے کہ تمہارے مردوں کے قتل اور عورتوں کی اسیری کے لئے شام سے لشکر آئے۔ مردم کوفہ نے اچانک جو یہ کلمات سنے تو ان پر ایک غیر معمولی ہیبت طاری ہو گئی اور حضرت مسلم[ع] کی بیعت سے نکل کر یزید[لعین] کے حلقۂ اطاعت میں آ گئے۔

نقلِ مکان اور ہانی[رح] کی میزبانی

مسلم بن عقیل[ع] مختار[رح] کے گھر میں تھے اور جدید انقلاب کی خبریں ان تک برابر پہنچ رہی تھیں۔ ابن زیاد[لعین] کے کوفہ آنے پر وہ روزِ سیاہ آ گیا

---

[1] ریاض المصائب عربی

جس کی تاریکی بڑھتی ہی گئی۔ مادیت اور روحانیت کے تصادم کا یہی وقت تھا۔ حق و باطل کی جنگ کے سامان نظر آئے۔ ظلمت نے نور پر قابو پانے کا پورا پورا ارادہ کرلیا۔ کفر ایمان سے برسرِ پیکار ہوا۔ ایک طرف فسق و فجور تو دوسری طرف زہد و تقویٰ، ادھر مکر و فریب تو ادھر ایمانداری، وہاں ظلم و جور، یہاں عدل و انصاف جو ہرگز باہم جمع نہیں ہوسکتے۔ ایک طاقت کو مٹ جانا ہے اور فنا ہونے والا ہی بقا کا حقدار ہوگا۔ موت کے فلسفہ کو سمجھنے والے نہ دشمن سے ڈرتے ہیں نہ ان کو مر جانے کا خوف ہوتا ہے۔ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ان کا مقصد پورا ہوا یا نہیں۔ ان کی فتح بس یہی ہے کہ بات رہ جائے خواہ وہ نہ رہیں۔ کوفہ کی حکومت میں انقلاب کے ساتھ حضرت مسلمؑ کے نصب العین میں بھی انقلاب پیدا ہوا اور انہوں نے آج نمازِ صبح اپنی قیام گاہ پر فرادیٰ ہی پڑھی۔ مسجد میں جانا خلافِ مصلحت تھا ظہر کے وقت مسجد میں آئے تو نہ موذن تھا نہ نمازی۔ خود اذان کہہ کر نماز پڑھی اور جب مسجد سے نکلے تو ایک نوجوان[۱] راستہ میں ملا۔ اس سے پوچھا کہ اب اہلِ کوفہ نے کیا کیا؟ جواب ملا کہ امام حسینؑ کی بیعت پر اب کوئی باقی نہیں ہے سب یزیدلعؒ کی بیعت کر چکے ہیں۔ آپ نے کفِ افسوس[۲] ملا اور قصد کرلیا کہ مختارؒ کے گھر کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اس ارادہ سے قیامگاہ کا رُخ نہیں کیا۔ گلیوں میں پھرتے رہے اور محلہ بنی خزیمہ میں پہنچے۔ اس محلہ میں آپ کا آنا بھی کسی عزم و ارادہ کے تحت میں نہ تھا۔ راہ سے ناواقفیت ہونے کی وجہ سے بلا قصد پہنچے اور ایک عالی شان مکان دیکھ کر دروازہ پر ٹھہر گئے۔ کنیز جو گھر سے نکلی تو پوچھا یہ گھر کس کا ہے۔ کہا ہانی بن عروہ کا۔ ہانیؒ غیر معروف آدمی نہ تھے، نام پہچانا ہوا

۱؎ ریاض المصائب ۔ ۲؎ ریاض المصائب ۔

تھا اور اس نام سے لوٹ الفت آتی تھی۔ کنیز سے کہا کہ ہانیؓ سے جاکر کہہ دے کہ ایک شخص آیا ہے اور تمہیں بلاتا ہے۔ اگر نام پوچھیں تو کہہ دینا مسلم ہیں۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ ہانیؓ اطلاع پاکر گھر سے نکلے اور حضرت کے آنے کو کراہت کی نگاہ سے دیکھا اور جب انہوں نے مہمان ہونے کی خواہش کی تو ٹھہرانے میں عذر کیا۔[1]

میرے نزدیک ہانیؓ کی مروّت سے یہ بعید تھا کہ جس خاندان کا وہ کلمہ پڑھتے ہوں اس کے ایک نمایاں فرد سے بے رخی کریں اور تاریخی لحاظ سے بھی اس بیان میں سقم ہے۔ ہانیؓ میں طول مرض سے نشست و برخواست کی طاقت بھی نہ تھی وہ دروازے تک ہرگز نہیں آئے۔ کنیز نے گھر سے نکل کر یہ کہا اے میرے سردار ہانیؓ تو بیمار ہیں۔ آپ اندر ہی تشریف لے آیئے مسلمؑ اندر گئے، ہانیؓ کے جسم میں مسرت کی روح دوڑ گئی ــــ چاہتے تھے کہ بغلگیر ہونے کو بستر مرض سے اٹھیں مگر قوت نے دفا نہ کی۔[2]

پورے خلوص اور عقیدت کے ساتھ حضرت مسلمؑ کو مہمان کیا اور زنانخانے سے متصل ایک قطعہ مکان میں ٹھہرایا۔ اس معزز مہمان کا آنا قدر شناس میزبان کے لئے کچھ اس قدر مبارک ثابت ہوا کہ ہانیؓ کو صحت ہونا شروع ہوئی اور اتنی قوت آگئی کہ شبانہ روز حاضر خدمت رہنے لگے۔ مسلمؑ کی روحانیت کا وہ اثر تھا کہ اب بھی بعض پرخلوص عرب خفیہ آکر بیعت کر رہے تھے اور اس امر کی کوشش تھی کہ راز فاش نہ ہو۔ رفتہ رفتہ یہ خبریں ابن زیاد علیہ اللعنہ سرکش پر پوشیدہ نہ رہ سکیں۔

---

[1] تاریخ کامل صفحہ ۱ [2] فنھض لیعتنقہ فلم یقدر علی النھوض ۱۲ ریاض المصائب

پانچواں باب

عبیداللہ ابن زیادؑ کے قتل سے حضرت مسلمؑ کا انکار اور ہانیؒ کی المناک گرفتاری

ہانیؒ کوفہ کے مشہور انسان تھے۔ ان کی عزت اور وجاہت کا تقاضہ تھا کہ ابن زیادؑ حاکم کوفہ سہی مگر وہ ہانیؒ کی مزاج پرسی کے لئے گھر پر آتے۔ ابن زیادؑ نے حکومت کے نشہ میں جب اس اسلامی فرض کو محسوس نہ کیا تو آپ نے حسنِ تدبیر سے اس شکایت کو کسی نہ کسی طرح ابن زیادؑ کے کان تک پہنچا دیا اور ابن زیادؑ نے عیادت کے لئے آنے کا وقت مقرر کیا۔ دوست کے گھر میں دشمن کی آمد۔ حضرت مسلمؑ کے لئے اس سے زیادہ سنہری موقع نہ تھا کہ ابنِ زیادؑ کا کام تمام کر دیں لیکن ان کا دماغ ایسی انسانیت سوز تدابیر پر غور کا عادی نہ تھا۔ حضرت مسلمؑ کی انسانیت نواز ذہنیت کے خلاف تو ایک حرف بھی تاریخ میں نہیں ملتا۔ البتہ فنونِ جنگ کے ماہر اور حفاظتِ خود اختیاری کے دلدادہ طبقہ نے ابن زیادؑ کے قتل کی تحریک اٹھائی اور عمارہ بن عبد سلومی نے کہا ہماری ساری تنظیم اسی میں منحصر ہے کہ ابن زیادؑ کو قتل کر دیں۔ یہ موقع تو خدا نے پیدا کیا ہے۔ اس مقام پر تاریخ میں اختلاف ہے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ ہانیؒ نے جواب دیا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ وہ میرے[1] گھر میں قتل کر دیا جائے۔ ایک حد تک یہ جواب صحیح بھی ہے۔ لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ قتل کی تحریک

---

[1] تاریخ کامل

ہانیؓ ہی کی طرف سے ہوئی۔ بظاہر اس کا سبب یہ ہے کہ شریکؓ[1] بن اعور حارثیؓ کی بھی یہی رائے تھی اس لیئے امکان ہے کہ ہانیؓ نے اپنی رائے واپس لی اور آخر میں اس تحریک کے خود محرک ہو گئے اور حضرت مسلمؑ سے عرض کیا آپ مجھے دیکھتے رہیں۔ جب میں عمامہ سر سے اتاروں تو پھرتی کر کے ابن زیادؑ کو قتل کر دیجیئے گا ورنہ وہ مجھے اور آپ کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ ابن زیادؑ[2] عشا کے وقت ہانیؓ کے دروازہ پر مع اپنے حاجبؓ[3] کے پہنچ گیا۔ ہانیؓ نے کنیز کے ہاتھ میں تلوار دے کر کہا کہ اسے مسلمؑ کو دیدے۔ وہ حجرہ میں پوشیدہ ہوئے ابن زیادؑ آیا اور ہانیؓ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ ہانیؓ نے اپنے مرض کی سختی اور بخار کی شدت کا ذکر کرتے ہوئے سر سے عمامہ اتارا اور سمجھے تھے کہ مسلمؑ پردے سے نکل کر کام تمام کر دیں گے مگر مسلمؑ بر آمد نہ ہوئے۔ ہانیؓ کو تین مرتبہ عمامہ اتارنے کی نوبت آئی مگر مسلمؑ خاموش رہے۔ اس وقت ہانیؓ نے کچھ اشعار پڑھے۔

جناب مسلمؑ حضرت یوسفؑ کی منزل پر

ہانیؓ کے اشعار پڑھنے سے ابن زیادؑ کی جبین پر شکن آ گئی اور کہا ہانی کو کیا ہو گیا ہے جو بار بار شعر پڑھ رہے ہیں۔ حاضرین نے جواب دیا کہ کچھ نہیں بیماری کا سبب ہے۔ ابن زیادؑ مشتبہ ہو کے ہانیؓ سے رخصت ہوا۔ مسلمؑ اندرونی حجرے سے نکلے۔ ہانیؓ نے موقع پا کر قتل نہ کرنے کی وجہ پوچھی۔ اور بروایتے شریک نے کہا کہ آپ کو ابن زیادؑ کے قتل سے کون مانع ہوا؟ فرمایا پہلی وجہ تو یہ تھی کہ ہانیؓ نے اپنے گھر میں ابن زیادؑ کے قتل کو مکروہ سمجھا تھا

---

[1] وکان شریک شیعیاً۔ تاریخ کامل۔ شریکؓ وہی ہیں جن کو ابن زیادؑ اپنا دوست سمجھ کر بصرہ سے ساتھ لایا تھا۔ [2] وقت عصر[12] ریاض [3] ریاض

دوسرا سبب یہ تھا کہ مجھے رسولؐ کی حدیث یاد آئی "ایمان قتل پر پابندی عائد کرنے والا ہے اور کوئی مسلمان قتل نہیں کیا جاسکتا۔[1]

حضرت مسلمؑ کی زندگی میں یہ وہ مقام ہے جس سے ان کی انسانیت نواز رویّہ کا دشمن کو اقرار کرنا پڑتا ہے اور یہی فرق بنی ہاشم اور بنی امیہ میں ہے وہ آخر تک صراطِ مستقیم پر باقی رہتے ہیں اور یہ ذاتی اغراض کے بندے ہیں مشیت ایزدی یہ تھی کہ حضرت مسلمؑ کے دامن پر ابن زیادؒ کے قتل کا دھبہ آنے نہ پائے اور وہ اس پر تیار بھی نہ تھے کہ اپنے قاتل کو قتل سے پہلے سزا دیں۔ اگر امیرالمومنینؑ نے واقعہ سے پہلے ابن ملجمؒ کو اور حسینؑ بن علیؑ نے ارتکابِ جرم سے قبل شمرؒ کو سزا دی ہوتی تو مسلمؑ بھی ایسا اقدام کرتے، قدرت کو ان کا وقار رہتی دنیا تک قائم کرنا تھا۔ واقعات کی گہرائی تک پہنچنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے اس ارادہ سے کائنات میں ایسا تزلزل واقع ہوا جیسا حضرت یوسفؑ کو زلیخا کے متہم کرنے پر ہوا تھا۔ وہ زنا ایسے فعلِ شنیع کے لیے مجبور کیے جارہے تھے اور ان کو قتل پر آمادہ کیا جارہا تھا۔ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ان کے مشکلات کی مکمل تصویر ہے قدرتی سامان (برہان رب) نے یوسفؑ کو بچایا اور مسلمؑ کو قاتل ہونے سے بچانے کی ان کی پاکیزہ ذہنیت کے علاوہ ایک صورت تو یہ ہوئی کہ ہانیؒ کی بی بی سدِ راہ ہوئی اور کہا مسلمؑ تم کو قسم ہے خدا کی میرے گھر میں ابن زیادؒ کو قتل نہ کرنا اور دوسرا قدرتی سامان یہ ہوا کہ انہوں نے جب حجرہ سے نکلنے کا

---

[1] دمعی روایۃ فقال مسلم منعنی من ذالک خبر سمعتہ عمّی امیرالمومنین علیؑ بن ابیطالب یقول لا ایمان نص لیقتل مسلماً۔

ارادہ کیا تو کسیؓ نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر روکا اور ہاتف غیبی کی صدا آئی مسلمؑ خدا کی قسم اور محمدؐ کا واسطہ ابن زیادؑ پر ہاتھ نہ اٹھانا۔

حضرت مسلمؑ نے ابن زیادؑ کو چھوڑ دینے کے بعد وجوہ بیان کیئے تو ہانیؓ نے کہا ابن زیادؑ کا قتل تو ایک فاسق وفاجر کا قتل تھا۔ آپ نے مجھے بھی ہلاک کیا اور خود بھی ہلاک ہوئے۔ ہانیؓ کا یہ خیال بالکل صحیح تھا مگر مسلمؑ حسینؑ ایسے رحمدل کے نائب ہوکر آئے تھے۔ ان کو جنگ میں سبقت کرنے کا حکم نہ تھا۔ اگر پہل ان کی طرف سے ہوتی تو یہ داغ ان کے دامن پر رہ جاتا۔

شریک ابن اعورؓ کی وفات

ابن زیادؑ کے خانۂ ہانیؓ میں آنے کے تیسرے دن شریک جانبر نہ ہوسکے اور انتقال کیا۔ ابن زیادؑ نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور جب یہ معلوم ہوا کہ شریک نے حضرت مسلمؑ کو اس کے قتل کا مشورہ دیا تھا تو ابن مرجانہؑ نے کہا۔ کہ خدا کی قسم اب میں کسی باشندۂ عراق کی نماز جنازہ نہ پڑھاؤں گا۔ اگر زیاد کی قبر نزدیک نہ ہوتی تو میں شریک کو قبر کھود کر نکال لیتا۔

حکومت کوفہ کا جاسوس حضرت مسلمؑ کی تلاش میں

ہانیؓ ابھی پوری طرح تندرست نہیں ہوئے تھے۔ ضعف میں اس قدر کمی ہے کہ کسی وقت اپنے دروازہ پر آکر بیٹھتے ہیں اور شہر کے حالات سے باخبر رہنے کی کوشش سے غافل نہیں ہیں ادھر ابن زیادؑ کے دل و دماغ میں یہ خیال پوری قوت سے گردش کر رہا ہے کہ کسی طرح مسلمؑ کو

لہ وقال یا اخی کلما ھممت بالخروج کان قابضًا القبض علی یدی ولقد سمعت یقول سألتک باللہ وبحق محمد لاتخرج الیہ مقتل ابو مخنف ۳ تاریخ کامل

گرفتار کرنا چاہیئے مگر یہ مسلّم حقیقت ہے کہ جبتک ہانیؓ کے دم میں دم ہے مسلمؑ کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ ابن زیادؒ نے اپنے غلام معقل[1] کو طلب کیا۔ جو مکر و فریب میں شہرہ آفاق تھا اور اس کو حکم دیا کہ میرے خزانہ سے تین[2] ہزار درہم لے کر مسلمؑ کو تلاش کر اور یہ رقم ان کے سامنے اس حیلہ سے پہنچا کہ وہ اس سے اپنے دشمن سے جہاد کرنے میں صرف کریں اور ان کے اندرونی حالات سے مجھے خبر دے ' معقلؒ نے یہ رقم لے کر جستجو شروع کر دی۔ ایک دن مسجد جامع میں پہنچا تو دیکھا کہ ایک سفید پوش شخص نماز میں مصروف ہے۔ معقلؒ کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی شیعہ علیؑ ہے۔ جا نماز کے قریب پہنچ کر بیٹھ گیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو معقلؒ بغلگیر ہوا اور محبت بھری بات چیت شروع کی۔ نمازی مسلم بن عوسجہؓ ہیں اور معقلؒ ان کے فریب دینے پر ہمہ تن مصروف ہے۔ تاریخ میں اس گفتگو کا سلسلہ یوں وارد ہے۔

معقلؒ:- میں اہل شام سے ہوں[3] اور خدا نے میرے دل میں محبتِ اہل بیت پیدا کی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اس شہر میں خانوادہ رسولؐ کا کوئی شخص امام حسینؑ کی طرف سے بیعت لے رہا ہے۔ میرے پاس تین ہزار درہم حاضر ہیں اور آرزو ہے کہ ان کے سامنے پیش کروں اور وہ اس رقم کو دشمنانِ دین سے جہاد میں صرف کریں۔

---

[1] بندرگاہ بصرہ کا نام معقل اسی غلام کے نام پر رکھا گیا [2] تین ہزار دینار ۱۲ ریاض المصائب [3] مقتل ابو مخنف کے بعض نسخوں میں ہے کہ معقلؒ کو غلط طور پر امام حسینؑ کا فرستادہ ظاہر کر کے یہ رقم حضرت مسلمؑ تک پہنچائی گئی ۱۲ ریاض المصائب

مسلم بن عوسجہؒ: مجھے تو اہل بیت سے کوئی تعلق نہیں ہے جس نے تجھے میرا پتہ دیا اس کی رائے صحیح نہیں ہے۔

معقل لعؒ: مجھے دھوکا نہ دو۔ مسجد کے کئی شخصوں نے مجھے بتایا ہے کہ تم نے امام حسینؑ سے بیعت کی ہے۔ اگر میری بات کا یقین نہ ہو تو یہ درہم موجود ہیں میں آنحضرتؐ کی زیارت کا آرزومند ہوں۔

مسلم بن عوسجہؒ: (قریب میں آکر) میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے تجھے مجھ سے ملایا۔ اس ملاقات سے میں بہت خوش ہوں۔

معقل لعؒ نے مسلم بن عوسجہؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اقرار کیا کہ میں اس رشتۂ عقیدت کو پوشیدہ رکھوں گا۔ مسلم بن عوسجہؒ نے یہ خلوص دیکھ کر وعدہ کیا کہ کچھ دن اور ٹھہر جائیں۔ اجازت لے کر مسلم بن عقیلؑ تک پہنچا دوں گا۔ پھر کیا تھا معقل لعؒ آنے جانے لگا۔ تاآنکہ مسلم بن عوسجہؒ نے حضرت مسلمؑ کے دربار میں باریاب کیا اور تجدید بیعت کی۔ حضرت مسلمؑ نے سامانِ جنگ خریدنے کے لیے وہ رقم ابوثمامہ صائدیؒ کے سپرد کی۔ ابوثمامہؒ کو ان کی دیانت سے صیغہ مال کا افسر قرار دیا تھا اور تمام جنگی ضرورتیں ان کے ہاتھ سے پوری کی جا رہی تھیں۔ وہ کوفہ کے مشہور شخص تھے شجاعت و بہادری میں ان کو عرب کا بچہ بچہ جانتا تھا۔

ہانیؒ کی گرفتاری

معقل لعؒ نے تمام حالات ابن زیاد لعؒ کے سامنے جا کر دہرائے ابن زیاد لعؒ نے اسماء بن خارجہ، عمر بن حجاج زبیدی کو طلب کیا موخر الذکر کی دختر رویحہ ہانیؒ کے عقد میں تھی جس سے ایک فرزند یحییٰ نامی موجود تھا۔ جب یہ بزرگانِ قبیلہ آئے تو ابن زیاد لعین نے کہا ہانی ابن عروہ کہاں ہیں۔ میں اپنے دربار میں انہیں کیوں نہیں دیکھتا۔ شاید وہ تجھ سے ملنا مکروہ سمجھتے ہیں۔ حاضرین نے کہا ان کو کمزوری کے سوا کوئی عذر نہیں ہے۔ ابن زیاد لعؒ نے جواب دیا کہ

میں تو سنتا ہوں کہ وہ روزانہ اپنے دروازہ پر بیٹھتے ہیں۔ اگر واقعی بیمار ہیں تو ایک دفعہ میں ان کی عیادت پھر کروں گا۔ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ہانی ایسے شریف قوم میرے ہاتھ سے جنگ کی زحمت اٹھائیں۔ کچھ دن انتظار میں گزرے۔ آخر ابن زیادؔ نے جھنجھلا کے ہانی کے بجبر لانے کا حکم دیا۔ ہانیؓ نے دربار میں آنے سے گریز کیا مگر کامیاب نہ ہوئے اور خچر پر بیٹھ کر تلوار حمائل کر کے روانہ ہوئے۔ راستہ میں اسماء بن خارجہ سے ملاقات ہوئی۔ ہانیؓ نے کہا مجھے خوف معلوم ہوتا ہے کہ مبادا ابن زیادؔ سے نقصان پہنچے۔ لہٰذا مجھے گھر پلٹا دو۔ اسماء نے کہا چچا ابن زیادؔ کی ناراضگی کا خیال نہ کرو، تمہیں کوئی صدمہ نہ پہنچے گا۔ غرض ہانیؓ قصر شاہی میں آئے۔ ابن زیادؔ پر سلام کیا اور اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ قاضی شریحؒ کی طرف رُخ کر کے کہا خیانت کرنے والا اپنے پیروں سے خود آ گیا۔ ہانیؓ نے قاضی شریحؒ کی طرف رُخ کیا اور عمرابن معدی کرب کے اشعار پڑھے۔ ابن زیادؔ ہانیؓ کی ہمیشہ عزت کرتا تھا مگر آج یہ بے توجہی ہے۔ ہانیؓ بیماری اور پیرانہ سالی کی عمر میں تین گھنٹہ تک تلوار پر تکیہ کیئے ہوئے کھڑے رہے۔ حاضرین نے محسوس کیا کہ ہانیؓ کو ناقابلِ برداشت تکلیف ہو رہی ہے ابن زیادؔ سے کہا امیر یہ ضعیف شخص اشرافِ کوفہ اور ان لوگوں سے ہے جن کا کہا سب مانتے ہیں ان کو کیوں نہیں بیٹھنے کا حکم دیتا؟ کہا اس شخص کا گھر امیرالمومنین کے دشمنوں کی قیامگاہ ہے۔ مہرِ سکوت ٹوٹ گئی اور یہ سُنا کہ ہانیؓ نے ابن زیادؔ سے دیر تک گفتگو کا سلسلہ جاری کیا۔

ہانیؓ: میں نے یزیدؔ کے کسی دشمن کو نہیں ٹھہرایا۔

سلہ قال الشریح لقاضی اتتک بخائن رجلاہ۔ یہ عرب کی ایک مثل ہے ۱۲ تاریخ کامل

ابنِ زیادؒ: جس نے مجھے خبر دی ہے وہ تم سے زیادہ سچّا ہے۔

ہانیؒ: غلط، بالکل غلط مسلمؑ میرے[1] گھر میں نہیں ہیں۔

ابنِ زیادؒ:۔ (معقلؒ کی طرف رُخ کرکے) ذرا سامنے تو آ اور اس بڈھے کے جھوٹ کی قلعی کھول دے۔

معقلؒ:۔ ہانی مجھے پہچانتے ہو؟

ہانیؒ:۔ خوب پہچانتا ہوں تُو فاجر اور بہت بڑا جھوٹا ہے۔

ہانیؒ کو یقین ہو گیا کہ معقلؒ نے اطلاعات میں اپنے جاسوسی کے فرض کو ادا کیا اور بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ اصل واقعات دہرا دیں۔

ہانی:۔ (ابن زیادؒ کی طرف رُخ کرکے)

اے امیر خدا کی قسم میں نے کسی کو مسلمؑ کے لینے کو بھیجا اور نہ دعوت دی۔ وہ خود میرے پاس آئے اور پناہ لی میں نے انہیں مہمان کر لیا۔ اگر میرا یہ فعل قابلِ اعتراض ہے تو مجھے اجازت ملے تاکہ میں ان سے کہہ دوں کہ وہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔

ابنِ زیادؒ:۔ میں تم کو جانے نہ دوں گا جب تک مسلمؑ کے ہاتھ گردن سے باندھ کر میرے سپرد نہ کرو۔

ہانیؒ:۔ میں اپنے مہمان کو ہرگز تیرے حوالے نہیں کر سکتا کہ تو قتل کر دے۔

ابنِ زیادؒ:۔ خدا کی قسم ان کو لانا پڑے گا۔

ہانیؒ:۔ خدا کی قسم کبھی نہ لاؤں گا۔

---

[1] مراد یہ کہ گھر کا حقیقی مالک خدا ہے۔

ایک سخت گفتگو ہوئی جسے راوی محفوظ نہ رکھ سکا۔ مسلم بن عمر باہلی لعنہ
اٹھا اور کہا۔ امیر مجھے اجازت دے تو میں ہانی سے کچھ باتیں کر لوں۔ ابن زیاد لعنہ
نے اجازت دی اور مسلم بن عمر لعنہ نے تخلیہ میں لے جا کر سمجھانا شروع کیا۔ ابن زیاد لعنہ
دور سے دیکھ رہا تھا کہ قصر کے ایک گوشہ میں آہستہ آہستہ باتیں ہو رہی ہیں۔
یہاں تک کہ طرفین سے آوازیں بلند ہوئیں۔

مسلم بن عمر لعنہ:۔ ہانی کس خیال میں ہو، اپنی جان دو گے اور قبیلہ کو مصیبت
میں پھنسانے کا ارادہ کیا ہے۔ تمہارا کچھ بگڑتا نہیں مسلم کو ابن زیاد کے حوالے
کردو۔

ہانی رض:۔ خدا کی قسم اس میں میری بے عزتی اور سخت ذلت ہے
کہ اپنے مہمان کو دشمن کے پاس پہنچا دوں اور میرے بازوؤں میں قوت بھی ہو
اور قبیلہ جوانمردوں سے بھرا ہوا ہو۔ واللہ اگر میں تنہا رہ جاؤں اور کوئی ایک بھی
میرا ناصر نہ رہے اس وقت اپنی جان دیدوں گا مگر ایسا نہ کروں گا۔ ہانی رض نے
مکرر یہی جملہ کہا کہ خدا کی قسم میں مسلم کو ابن زیاد لعنہ کے پاس ہرگز نہ لاؤں گا۔
ابن زیاد لعنہ نے یہ شیرانہ ارادہ دیکھا، بات چیت سن کر کہا ہانی کو میرے
پاس لاؤ۔ جب ہانی رض سامنے آئے تو پھر آخری بار دہی کہا۔

ابن زیاد لعنہ: تم کو لانا پڑے گا ورنہ میں گردن زدنی کا حکم دیتا ہوں۔
ہانی رض:۔ اگر ایسا ہوا تو پھر تیرے قصر کے گرد بجلیاں چمکیں گی۔
ابن زیاد لعنہ:۔ مجھے تلواروں سے ڈراتے ہو۔

ہانی رض کی جنگ اور دشمن کے نقصانات

ابن زیاد لعنہ نے ہانی رض کے چہرے پر
چھڑی سے حملہ کیا اور ہانی رض نے قبضہ

لہ ارشاد شیخ مفید

پر ہاتھ ڈال کر تلوار کھینچی اور دفاعی جنگ شروع کی۔ چہرہ کی ضرب کا جواب سر کے حملہ سے دیا اور تلوار نے ابن زیاد[لعنہ] جو ریشمیں چادر اوڑھے تھا اس کو چاک کر کے ٹوپی کو کاٹتے ہوئے سر کو چھیلتا ہوا زخمی کیا۔ معقل[۳] اپنے آقا کو بچانے کے لئے ہمدردی کے جذبہ میں بڑھا اور ہانی[رض] نے اس کے رخسار پر حملہ کر کے دو نیم کر دیا۔ اس جنگ میں ہانی[ؒ] کے ہاتھ سے، جو سو برس کے بڈھے اور ابھی بیماری سے اٹھے تھے کم از کم ۲۵[ٔ] اور زیادہ سے زیادہ[۵] ۵۴ سپاہیوں کو قتل کیا۔ ابن زیاد[لعنہ] نے فریاد کی آخر دشمنوں نے ہجوم کر کے ہانی[رض] کو گرفتار کیا۔ اس وقت ابن زیاد[لعنہ] کے عقب سر اس کا غلام مہران سپاہیانہ انداز سے پہرہ پر تھا۔ ابن زیاد[لعنہ] نے اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ اس جلابے کو میرے پاس جلد لاؤ۔

مہران[ؒ] نے ہانی[رض] کی زلفیں پکڑلیں اور ابن زیاد[لعنہ] نے اس بے دست و پا بوڑھے مجاہد کو بے بس کر کے ہاتھ میں جو چھڑی تھی اس سے اذیت دینا شروع کی اور ہانی[رض] کے سر اور ناک، پر اتنی لکڑیاں لگائیں کہ سر اور پیشانی سے خون جاری ہو گیا رخسار کا گوشت کٹ کر لٹک آیا۔

بعض واقعہ نگاروں کا بیان ہے کہ ابن زیاد[لعنہ] نے لوہے کے گرز سے اسی[ؒ] وقت ہانی[رض] کو ختم کر دیا لیکن میری رائے میں یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ بیشک ہانی[رح] کی حالت ایسی سقیم ہو گئی تھی کہ دیکھنے والوں کو موت کا شبہ ہو رہا تھا۔ جب وہ بہت زخمی ہو چکے تو حسان[ؒ] بن اسماء نے کہا امیر تو نے مجھے بھیج کر ہانی[رض]

---

[۱] ناسخ التواریخ [۲] ریاض المصائب عربی

[۳] فاخذ مهران ضفیرتی هانی واخذ عبید الله القضیب ۱۲

[۴] تاریخ کامل [۵] ریاض المصائب [۶] جلاء العیون۔

کو بلایا تھا اور میں ان کو تیری طرف سے امان کا وعدہ کرکے اس حیلہ سے لے آیا اور تونے ان کے ساتھ یہ مکر کیا۔ غالباً یہی سفارش قتل سے باز رکھنے کا سبب ہوئی۔ غرض ابن زیادؔ نے حکم دیا کہ ہانیؒ کو قید خانہ لے جاؤ۔

قصر ابن زیادؔ پر ہجوم

ہانیؒ ایسے مشہور اور باعزت انسان کا بیدردی کے ساتھ ابن زیادؔ کے ہاتھ سے مجروح ہونا معمولی حادثہ نہ تھا گو اس کے چھپانے کی بڑی کوشش کی گئی مگر دارالامارہ کی بات کوفہ بھر میں شہرت پا گئی اور کسی ہمدرد نے اعلان کر دیا کہ اسے بنی مذحج کیا بیٹھے ہو ہانی بن عروہؒ دارالامارہ میں قتل ہو گئے۔ عمر ابن حجاج کی قیادت میں ۴ ہزار آدمیوں نے آکر قصر شاہی کو گھیر لیا اور پکار پکار کر کہنا شروع کیا کہ او ابن زیادؔ ہمارے سردار کو قتل کر دیا حالانکہ اس نے نہ اطاعت میں عذر کیا تھا اور نہ اختلاف پھیلایا۔ کسی نے کہا اے ہانیؒ اگر زندہ ہو تو جواب دو تمہارے چچا کے فرزند اور قریب رشتہ دار سب آمادۂ جنگ اور حاضر ہیں۔ بزدل ابن زیادؔ پر اس یلغار کا بُرا اثر پڑا اور اس نے معاویہ شاہی تدابیر سے کام لیتے ہوئے قاضی شریح سے کہا اٹھ اور ہانی کو اپنی آنکھ سے اندر دیکھ کر مجمع کے سامنے بیان دے کہ وہ قتل نہیں ہوئے ہیں بلکہ حکومت نے ان کو کسی مصلحت سے اپنی حراست میں لے لیا ہے کہ حالات کی تفتیش میں مدد ملے۔ شریح قید خانہ کے قریب آیا۔ ہانیؒ اس کے مکر و فریب کو سمجھ گئے اور غصہ میں کہا۔ کیا میرے قبیلہ کے لوگ مر گئے۔ شہر کے لوگ کہاں ہیں۔؟ یہ کہہ رہے تھے اور خون ڈاڑھی پر بہہ رہا تھا۔ دفعتہً ہانیؒ کے کان میں شور کی صدا آئی اور ہانیؒ نے کہا یہ آوازیں تو (میرے قبیلہ) مذحج کی ہیں۔ مجھے پورا گمان ہے کہ میرے ساتھی پہنچ گئے۔ اگر دس آدمی بھی دارالامارہ میں آگئے تو بگڑا کھیل بنتا ہے۔ کوفہ

میں کون ایسا تھا جس کے دینی و دنیوی اغراض قاضی شریح سے وابستہ نہ ہوں اور وہ ان کے جبہ و دستار سے مرعوب نہ ہو۔ شریح قصر کے دروازہ پر پہنچا اور یہ مختصر مگر پُر از مکر و فریب تقریر کی۔

" امیر نے تمہاری جوشیلی گفتگو سنی اور وہ صدائیں اس تک پہنچیں جو تم نے اپنے رفیق ہانی کے بارے میں بلند کیں اور مجھے حکم دیا کہ میں ان کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر تم کو خبر دوں کہ وہ زندہ ہیں اور تم کو جس نے خبر دی ہے کہ وہ قتل ہو گئے وہ سراسر غلط ہے "۔

ہانی رحؒ کے خسر عمر بن حجاج نے کہا کہ جب ہانی زندہ ہیں اور قتل نہیں ہوئے تو ہم کو کوئی شکوہ نہیں۔ ہم ان کے بقید حیات ہونے پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اس دام تزویر میں پھنس کر مجمع پراگندہ ہو گیا۔

ہانیؒ کی شخصیت اور ذاتی وقار نے ان کو اتنا ہر دلعزیز بنایا تھا کہ قصر ابن زیادؑ میں بھی ان کے ہمدرد موجود تھے۔ اسماء بن خارجہ نے ابن زیادؑ سے اجازت حاصل کی کہ وہ ہانیؒ سے ہمدردی کرے۔ ابن زیادؑ پر یہ ارادہ اتنا گراں گزرا کہ حکم دیدیا اسماء کو سزا دی جائے اور وہ دربار سے باہر کرائے جائیں۔ اس بے گناہ پر گھونسے اور طمانچے پڑنے لگے اور زد و کوب کے بعد باہر کر دیا۔ اس زلزلہ افگن مظالم کے بعد ابن زیادؑ مسجد میں آیا اور اپنے خطبہ میں یزیدؑ کی امامت اور اس کی پیروی پر زور دیتے ہوئے اتحاد کی تعلیم اور تلقین کی اور منبر سے اتر آیا۔ ہانیؒ کی اسیری کے ساتھ شہر کی ناکہ بندی کرا دی اور تمام راستوں پر پہرے بٹھا دیئے۔ ہر قبیلہ کے سردار کو زیر حراست کر لیا تا کہ آئندہ جو خلفشار ہونے والا ہے اس سے نجات ملے۔ یہ وہ مظالم ہیں جنہیں واقعہ کربلا کا پیش خیمہ کہنا چاہیئے۔

حیدرآباد لطیف آباد یونٹ نمبر ۸ C1-A

چھٹا باب

حضرت مسلمؑ کا خروج شریح نے قاضی ہوکر ہانیؓ کی پُر درد داستان کو چھپایا اور ان کے قبیلہ کے سامنے ان کی خیریت کی غلط خبر دی اور اہلِ کوفہ ایک حد تک ہانیؓ کی طرف سے مطمئن ہوگئے۔ بظاہر اسماء بن خارجہ نے دارالامارہ سے نکل کر اصل واقعات سے پبلک کو روشناس کیا اور کوفہ میں پھر ابن زیادؔ لعین کے خلاف ایک ہیجانی پیدا ہوگئی۔ حضرت مسلمؑ گھر ہی میں تھے کہ دیکھا خاندان مراد کی عورتیں یا عشرتاہ یا ثکلاہ کہہ کر نالہ و شیون کر رہی ہیں یقین ہوگیا کہ ہانیؓ کی خیریت نہیں ہے کیا اب بھی مسلم بن عقیلؑ چھپے ہوئے بیٹھے رہتے یا اس خوف سے کہ یہاں میرا قیام معلوم ہوگیا ہے کسی دوسرے قابلِ اعتماد شخص کے یہاں جاکر مخفی ہو جاتے لا واللہ غیرت بنی ہاشم کا یہ تقاضا نہ تھا۔ انھوں نے یہ طے کرلیا کہ ہانیؓ نہیں تو پھر میں بھی نہیں۔ (مورخ) طبری نے صاف طور پر تصریح کی ہے کہ مسلمؑ کا جنگ کے لئے نکلنا اپنے ساتھیوں کی اطلاع کے بغیر تھا اور کوئی قرارداد اس دن کے متعلق نہ ہوئی تھی۔ وہ ایک مرتبہ اس وقت کھڑے ہوگئے جب ان کو معلوم ہوا کہ ہانی بن عروہ مرادیؓ کو زد و کوب کرکے قید[1] کیا گیا۔ واقعہ کی ناگہانی حیثیت کو دیکھتے ہوئے اب یہ توقع تو کی ہی نہیں جاسکتی تھی کہ وہ ۱۸ ہزار بیعت کرنے والے سب ایک دم میں مسلمؑ کے گرد جمع ہو جاتے اور جنگ میں

---

[1] تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۵

ان کے ساتھ شرکت کرتے اور پھر جبکہ کوفہ کے محلّے بھی ایک دوسرے سے متصل نہیں بلکہ کافی فاصلہ رکھتے تھے ہاں یہ محلّہ کہ جس میں مسلمؑ کا قیام تھا کافی وسعت رکھتا تھا اور اسی کے اطراف میں مسلمؑ کے گرداگرد ۴ ہزار آدمی موجود[1] تھے۔

آپ نے سردارانِ فوج کے لئے نشان مرتب کرنا شروع کئے۔ قبیلہ کندہ، مذحج، مضر، تمیم، اسد کے لئے علیحدہ علیحدہ رایت ترتیب دے کر "یا منصور امت" کا نعرہ کیا۔ یہ الفاظ پہلے سے نعرۂ جنگ قرار دیئے جا چکے تھے چار ہزار آدمی گھروں سے نکل آئے اور مسجد و بازار مسلمانوں سے چھلکنے لگا اور عام شہرت ہوگئی کہ مسلمؑ نے خروج کیا۔

بیعت کرنے والوں کا یہ اجتماع اچانک تھا۔ پہلے سے کوئی قرارداد نہ تھی اور نہ اُن میں سے ہر جوان مسلح تھا لہٰذا کیا امید کی جا سکتی تھی کہ یہ چار ہزار جوان آخر تک ارادہ پر باقی بھی رہیں گے۔ وہی ہوا کہ قصر تک پہنچتے پہنچتے صرف تین سو آدمی باقی رہ گئے۔ پھر بھی ابن زیاد لعنہ پر حضرت مسلمؑ کی وہ ہیبت تھی کہ لشکرِ مسلمؑ کی آمد سن کر دارالامارہ میں پہنچ کر دروازہ بند کر لیا۔ آپ نے عبداللہ بن حازم کو حکم دیا کہ (کسی طرح) دارالامارہ میں پہنچ کر دریافت کرو کہ ہانیؓ پر کیا گذری۔ وہاں ابن زیاد لعنہ کے پاس ۳۰ سپاہی اور ۲۰ اشرافِ کوفہ کُل ۵۰ آدمی ہیں جن پر قابو پا لینا کچھ دشوار نہیں ہے۔ قلعہ کا محاصرہ ہو جانے کے بعد دوسرے قبیلوں کے لوگ بھی آکر شامل ہوگئے اور یہ جماعت پوری طاقت سے مقابلہ پر تیار ہوگئی۔ اس لشکر میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ کچھ تو بیعتِ مسلمؑ کی لاج رکھتے ہوئے شرماشرمی جنگ پر تیار ہوئے ہیں اور ایک بڑا

[1] قاتلانِ حسینؑ کا مذہب۔

حضرت ہانی رح کی ہمدردی میں برسرِ پیکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجمع پر قابو نہیں ہے کچھ لوگ دارالامارہ پر پتھر برسا رہے ہیں اور کچھ ابن زیادؓ کو نازیبا الفاظ کہہ رہے ہیں۔ پشت دارالامارہ پر جو دروازہ تھا اس سے کوفہ کے کچھ لوگ خفیہ طور پر قلعہ میں داخل ہوئے اور انہوں نے بالائے قصر پہنچ کر اپنے کانوں سے سُنا کہ ابن زیادؓ کو پکار پکار کر زنازادہ کہا جا رہا ہے۔

دارالامارہ میں ابن زیادؓ کی طرف اقلیت سہی لیکن یہ وہ فتنہ پرداز گروہ ہے جس میں ہر سپاہی پیکرِ فریب ہے اور اپنے مکر سے حضرت مسلمؓ کا رہا سہا اثر خاک میں ملا دے گا۔ وہی ہوا کہ ابن زیادؓ نے کثیر بن شہاب کو بلایا اور کہا کہ قبیلہ مذحج سے تجھے دوستی ہے۔ قلعہ کے باہر نکل کر ان لوگوں کو لشکرِ شام کی آمد اور یزیدؓ کے غیظ و غضب سے آگاہ کر۔ قبیلہ کندہ اور حضر موت کی طرف محمد بن اشعثؓ کو بھیجا کہ وہ لوگوں کو برخلاف کرے۔ قعقاع ذہلی اور شبث بن ربعی تمیمی اور حجار بن ابجر سلمی اور شمر بن ذی الجوشن عامریؓ کو بھی اس غلط پروپیگنڈے کے لئے دارالامارہ کے باہر کر دیا اور اس فتنہ پرداز گروہ نے قلعہ کے باہر قدم رکھتے ہی لوگوں کو حضرت مسلمؓ کے خلاف ابھارنا شروع کر دیا۔ کثیر بن شہاب نے وسطِ شہر میں پہنچ کر حضرت مسلمؓ کا ساتھ دینے سے لوگوں کو روکا۔ محمد بن اشعثؓ نے بنی عمارہ کے ایک ایک گھر پر جا کر جنگ کرنے سے منع کیا۔

حضرت مسلمؓ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ نے عبدالرحمٰن شیبانی کو ایک جماعت کے ساتھ مدافعت کے لئے روانہ کیا۔ لیکن سُنتا کون ہے۔ حضرت مسلمؓ کے خلاف عام نفرت پھیل چکی تھی اور جہاں جہاں سے مدد آ رہی تھی اس کو مسدود کر دیا گیا۔

گرفتاریاں

عبدالاعلیٰ بن یزید کلبی اپنے گھرانے کے چند نوجوانوں کو ساتھ لیے ہوئے آرہے تھے کہ کثیر بن شہاب نے گرفتار کیا اور محلہ بنی عامرہ کی طرف سے عمارہ بن صلخب ازدی نے جسم پر ہتھیار آراستہ کرکے چاہا تھا کہ مسلمؑ کے پاس آئیں لیکن وہ بھی گرفتار ہوگئے۔ محمد بن اشعث نے اپنی کامیابی دیکھ کر جنگ کا ارادہ کر لیا۔ ابن زیاد نے روکا اور شیث بن ربعی کو علم دے کر دارالعمارہ کے باہر کیا اور کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ یہ خبر مشہور کر دیں کہ "یزید کا لشکر کوفہ پہنچا چاہتا ہے"۔ کثیر بن شہاب نے اس خدمت کو خود انجام دیا اور تقریر کی کہ "اے گروہ مردم اپنے اپنے گھروں میں بیٹھو اور اپنی عزیز جانوں کو قتل ہونے سے بچاؤ۔ یزید کا لشکر آرہا ہے اور ابن زیاد نے عہد کر لیا ہے کہ جو وقت عشاء تک مسلم کا ساتھ نہ چھوڑے گا وہ کل صبح کو ضرور قتل ہوگا۔ اور اس کی تنخواہ بند کر دی جائے گی"۔

اس علم کا نکلنا تھا کہ حضرت مسلمؑ کی جمعیت پراگندہ ہونا شروع ہوئی اور ایک عام بے چینی پھیل گئی اور آپس میں یہ باتیں ہونے لگیں کہ ہم شام کے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ حالت یہ تھی کہ عورتیں اپنے باپ بھائی کے پاس آتی تھیں اور کہتی تھیں کہ چل واپس چل، اور لوگ کافی ہیں اور باپ یا بھائی اپنے بیٹے، بھائی کے پاس آکر کہتا تھا کہ دمشق سے فوج آجائے گی تو پھر کیا کرے گا؟ چل لڑائی سے کنارہ کشی کر اور مجبور کر کے اسے اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔

بیعت شکنی کا آخری منظر محمد بن کثیرؓ کی میزبانی

نتیجہ یہ ہوا کہ دس دس بیس بیس آدمی پراگندہ ہونا شروع ہوگئے اور نماز مغرب کے وقت صرف ۳۰ آدمی رہ گئے۔ اور بعد مغرب جب آپ باب کندہ تک پہنچے تو دس آدمیوں سے زیادہ ساتھ نہ تھے

جنہوں نے آگے بڑھنے پر ساتھ چھوڑ دیا اور حضرت مسلمؑ تنہا رہ گئے۔ اس وقت
ارادہ کیا کہ کوفہ کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اس خیال میں گھوڑے کو مہمیز کیا مگر راستہ
معلوم نہ تھا۔ اثناء راہ میں سعید بن احنفؒ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پہچان
کر کہا کہ میرے سردار کہاں جاتے ہیں اور کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا کہ میں
چاہتا ہوں کہ کوفہ چھوڑ دوں۔ سعیدؒ نے جواب دیا کہ راستے بند اور دروازہ میں
قفل ہے جس پر نگہبان مقرر ہیں کوفہ سے نکل جانا ممکن نہیں۔ بہتر ہے کہ میرے
ساتھ آئیں تاکہ میں رہنمائی کروں۔ یہ کہہ کر سعیدؒ آپ کو محمد بن کثیرؒ کے گھر لے آئے
اور آواز دی کہ گھر سے جلد نکل کر مسلمؑ کو مہمان کرے۔ محمد بن کثیرؒ نے پیر تپاک
خیر مقدم کیا اور قدم چوم کر کہا کہ میں بارگاہ ایزدی میں شکر کرتا ہوں جس نے مجھے
یہ سعادت دی۔ حضرت مسلمؑ گھر میں داخل ہوئے اور تنہا خانہ میں آپ نے
قیام فرمایا۔

جاسوس نے ابن زیادؒ کو یہ خبر بھی پہنچا دی اور اس نے اپنے بیٹے خالد کی
سرکردگی میں کچھ لوگ روانہ کیئے کہ محمد کا گھر گھیر کر ان کو گرفتار کر لیا جائے۔ محمد
بن کثیرؒ ایک بے یار و مددگار شخص کا اسیر کر لینا کچھ دشوار امر نہ تھا پیادے پہنچے
اور محمد بن کثیر کو مع ان کے بیٹے کے قید کر لیا۔ مظلوم سے ہمدردی انسانیت کا فرض ہے
اگرچہ کوفہ میں اب انسان صفت لوگ باقی نہیں رہے کچھ اسیر ہیں اور کچھ
روپوش۔ سلیمان بن صرد خزاعیؒ اور مختار بن ابوعبیدہ ثقفیؒ اور رفاع بن عازبؒ
ابھی تک گرفتاری سے بچے ہوئے تھے۔ ان کے دل میں خاندان رسالتؐ کی پوری
عظمت ہے اور وہ کوفہ میں موجود بھی ہیں۔ محمد بن کثیرؒ کی گرفتاری نے ان کے
جذبات کو برانگیختہ کر دیا ہے اور آپس میں مشورہ کر کے دل پر ٹھان لیا کہ کل
قصر ابن زیادؒ پر حملہ کر کے محمد بن کثیرؒ اور ان کے فرزند کو چھڑا لیں اور کوفہ سے

نکل کر امام حسینؑ تک پہنچیں۔

لشکر شام کی آمد اور محمد بن کثیرؒ کی مدافعانہ جنگ۔ دوسری اور تیسری قربانی

حق کی حمایت میں مرمٹنے والے ابھی انتقام کا ارادہ دل ہی میں لیے ہوئے تھے کہ صبح ہونے سے پہلے دس ہزار سپاہیوں کا لشکر دمشق سے آپہنچا۔ اب تو ابن زیادلعؒ کی مسرت حد سے بڑھ گئی اور پوری طاقت کے ساتھ حضرت مسلمؑ کی سراغرسانی شروع کی۔ محمد بن کثیرؒ کو دربار میں طلب کیا اور ان پر ہانیؒ کی طرح دباؤ ڈالنا شروع کیا اور اپنی فطری عادت کے موافق غیر شریفانہ اور سخت سست الفاظ استعمال کیے مگر محمدؒ کے استقلال میں سر مو فرق نہ ہوا اور ترکی بہ ترکی جواب دیئے۔

محمد بن کثیرؒ:۔ او ابن زیادلعؒ میں تجھے خوب پہچانتا ہوں اور تیرے حسب ونسب سے بھی واقف ہوں۔ ابوسفیانلعؒ اور زیادلعؒ میں جو تعلق تھا وہ بھی مجھے معلوم ہے۔

ابن زیادلعؒ:۔ عقیل کے بیٹے کو میرے سپرد کردو ورنہ تلوار سے جواب دوں گا۔

محمد بن کثیرؒ:۔ میرے ایک بال کو بھی صدمہ نہیں پہنچ سکتا۔

ابن زیادلعؒ اس دلیرانہ جواب کے فلسفہ پر غور کرنے لگا کہ ایک غیر معروف شخص کس جوانمردی سے یہ دعوی کر رہا ہے ممکن ہے کوئی راز ہو۔ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ مزید ۱۰ ہزار سپاہی شام کی سمت سے کوفہ پہنچے اور اب ابن زیادلعؒ کی جنگی طاقت بے پناہ ہوگئی۔ فوجیوں سے کوفہ چھلکنے لگا۔ محمد بن کثیرؒ بحر مولا کی طرح سامنے کھڑے ہیں۔

ابن زیادلعؒ:۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم کو اپنی جان زیادہ عزیز ہے یا مسلمؑ کی ۔؟

محمد بن کثیرؒ۔ مسلمؑ کا خدا نگہبان ہے لیکن میرے بھی ۳۰ ہزار مددگار موجود ہیں۔

غالباً محمد بن کثیرؒ کو مختارؒ اور سلیمانؒ کے ارادوں سے کسی نے باخبر کر دیا تھا لیکن ابن زیادؒ پر اب کسی موہوم فوج کا رعب تھوڑی ہو سکتا تھا۔ اس کو غصہ آگیا اور محمدؒ کی پیشانی پر دوات اٹھا کر پھینکی۔ جبین خون آلودہ ہو گئی اسی وقت تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالا اور جوابی حملہ کیا۔ ابن زیادؒ کا ایک خاص شخص سامنے آیا اور ابن کثیرؒ نے ایک وار میں اس کو دو نیم کر دیا اُدھر بیٹے نے تلوار کھینچی اور دونوں تلواریں بجلی کی طرح کوندنے لگیں۔ محمد بن کثیرؒ! تمہاری جرأت اور ہمت کا کیا کہنا۔ صفت شجاعت کو صحیح استعمال کیا اور پیش دستی کرتے تو اس آئین کے خلاف تھا جو کربلا والوں کا نصب العین تھا۔ پہلے خود زخمی ہوئے اس کے بعد تلوار کھینچی۔ ابن زیادؒ نے یہ بہادری دیکھ کر اپنے غلاموں سے کہا کہ ابن کثیر کو تنہا نہ چھوڑو۔ اس حکم کے ساتھ ان پر ہر سمت سے لوگ ٹوٹ پڑے اور محمدؒ نے اپنے آخری سانس تک تلوار کے قبضہ سے ہاتھ نہیں ہٹایا۔ دو شخصوں کو قتل کیا اور اس دار و گیر میں پھر گرفتار ہو گئے۔ بیٹے کی تلوار ابھی چمک رہی تھی اور اس بہادر مجاہد کا ارادہ تھا کہ دشمنوں کو قتل کرتا ہوا دار الامارہ کے باہر پہنچ جائے۔ اس جنگ میں ۲۰ آدمی قتل ہوئے اور ابن زیادؒ کے غلام نے جس کا نام وستہ تھا پس پشت سے نیزے کا وار کیا اور وہ جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ ابن زیادؒ نے حکم دیا کہ دونوں باپ بیٹوں کے سر کاٹ کے اہل کوفہ کے سامنے لے جاؤ تاکہ دیکھنے والوں کو عبرت ہو اور مسلم بن عقیل کا اثر دلوں سے محو ہو جائے۔

ساتواں باب

ایک ضعیف العمر عورت کی میزبانی، عبادتِ الٰہی میں آخری رات پردیس میں محیر العقول جنگ، تشنہ و گرسنہ مسافر کی شہادت

(۱) حضرت مسلمؑ کے امتحان کی سختی العظمۃ للّٰہ و انبیاء کی طرح مظلوم ہیں موسیٰؑ قبطی کو قتل کرکے وطن سے نکلے تو مدین میں پناہ ملی، اور حضرت شعیبؑ نے داماد بنایا، یوسفؑ چاہِ مصیبت سے نکل کر تاجدارِ مصر ہوئے۔ عیسیٰؑ دار پر نظر آنے سے قبل فلکِ چہارم پر اٹھا لئے گئے۔ آغاز تلخ تھا انجام خوشگوار ہوا مگر پیغمبر آخر الزماں صلوات اللہ وسلامہ علیہ کا بھتیجا صبر و شکیب کی اس منزل پر ہے کہ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا مصیبت زدہ ہو۔ مختارؒ کے گھر میں قیام کیا میزبان کے لئے خطرہ پیدا ہوا اور مصلحت نے مجبور کیا کہ اس مکان کو چھوڑ دیں۔ ہانی بن عروہؒ کو میزبانی کی دعوت دی۔ وہاں ایسی گھڑی پہنچے کہ ان کو گرفتار ہونا پڑا۔ محمد بن کثیرؒ کی گرفتاری بھی اسی جرم میں عمل میں آئی۔ اب تو قریب یہ طے ہو چکا تھا کہ جو حضرت مسلمؑ کو امان دے وہ اپنی جان سے ہاتھ دھوئے اس لئے حضرت مسلمؑ کے مشکلات احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔ محمد بن کثیرؒ کی خبرِ قتل سن کر آپ اس گھر سے بھی نکلے۔ ابن زیادؒ نے راستہ میں جا بجا ۴ ہزار سپاہیوں کو متعین کر دیا ہے اور ہر طرف پہرا ہے۔ جس سمت دشمن کی فوج نظر آتی تھی ادھر سے رُخ بدل دیتے تھے "دار البیع" (خرید و فروخت کی جگہ) جو پہنچے تو خالد کو دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ سدِ راہ پایا۔ قصد

کیا کہ چپ و راست میں کسی طرف سے چلیں جائیں فکر و اضطراب میں کچھ راہ طے کی کہ دور سے محلہ کناسہ نظر آیا۔ وہاں ایک شامی کی ماتحتی میں دو ہزار سوار ولسا کا ہجوم تھا۔ اس عرصہ میں سپیدۂ سحر نمودار ہوا اور حارثؒ نے آپ کو راستہ طے کرتے دیکھ لیا اور دارالامارہ میں خبر کی کہ مسلمؑ کا رُخ دروازہ بصرہ کی طرف ہے۔ ۵۰ سوار گرفتاری کے لئے روانہ ہوئے اور جب آپ نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی صدا سُنی تو گھوڑے سے اُتر کر دوسرا راستہ اختیار کیا اور محلہ حلاج (دھنیوں کی بستی) میں خالی گھوڑا گرفتار ہو گیا۔ ابن زیادؑ کو راسوار کی گرفتاری سے مسرت ہوئی اور حکم دے دیا کہ شہر کے دروازے استحکام کے ساتھ بند رہیں اور ہر طرف منادی کرادی کہ جو مسلم کو گرفتار کرکے لائے گا اس کو انعام ملے گا۔ اس اطلاع سے جاہل اور لالچی عرب ہر طرف تلاش میں مصروف ہو گئے اور حضرت مسلمؑ ناواقفیت کے عالم میں ایک گلی کی طرف مڑ گئے۔ کچھ دُور جا کر معلوم ہوا کہ ادھر بھی راستہ بند ہے۔ حیرت زدہ ہو کر چہار طرف دیکھا۔ ایک شکستہ مسجد دکھائی دی اس میں پناہ لی۔ تمام دن آپ گوشۂ مسجد میں بے آب و دانہ ذکر الٰہی میں مصروف رہے تا آنکہ سورج ڈوب گیا اور رات کی تاریکی پھیل گئی تو مسجد سے نکلے اور بنی جبلہ کے گھروں کے سامنے سے ہوتے ہوئے گزرے۔

طوعہؒ کا گھر اور آخری آرامگاہ

ایک گھر نظر آیا جس کے دروازہ پر مالکۂ مکان اپنے بیٹے کے انتظار میں کھڑی تھی جو فکرِ معاش میں صبح سے گیا ہوا تھا اور اس وقت تک نہ آیا تھا۔ حضرت مسلمؑ نے سلام کیا۔ ضعیفہ نے جواب دیا۔ پردیس کی گلیوں میں ٹھوکریں کھانے سے پیاس بھڑک گئی تھی۔ بعد سلام پانی مانگا۔ ضعیفہ گھر سے جام

آب لئے ہوئے برآمد ہوئی اور پیاسے مسافر کو سیراب کیا۔ چلتے چلتے تھک چکے تھے۔ پانی پی کر سوچتے رہے کہ اب کہاں جاؤں۔ کچھ دیر ہوئی تو ضعیفہ نے جس کا نام طوعہ تھا کہا۔

طوعہؒ:۔ اے شخص اپنے عیال کی طرف جا۔ اب کیوں ٹھہرا ہے۔ میرے دروازہ پر رکنا اچھا نہیں ہے۔ مسلمؑ خاموش تھے۔ اور طوعہؒ نے تین مرتبہ اس کلام کا اعادہ کیا۔

مسلمؑ:۔ کنیز خدا اس شہر میں میرا مکان نہیں ہے نہ عزیز و اقارب ہیں۔ تُو کچھ ثواب حاصل کرنا چاہتی ہے؟

طوعہؒ:۔ کیسے؟

مسلمؑ:۔ میں مسلم بن عقیل ہوں۔ کوفیوں نے مجھ سے دغا کی۔

طوعہؒ:۔ آپ مسلمؑ ہیں تو یہ گھر حاضر ہے۔ تشریف لائیے۔ مسلمؑ داخلِ خانہ ہوئے اور طوعہؒ نے اپنے گھر سے ملحق جو دوسرا قطعۂ مکان[1] تھا اس میں ٹھہرایا۔ بستر لگا کر کھانا پیش کیا۔ آپ نے قیام تو کیا کھانے سے انکار کیا۔ زندگی کی آخری رات یہی تھی۔ کسی قدر راحت کے بعد آپ نے چاہا تو تھا کہ رخصت ہو جائیں مگر طوعہؒ نے روکا۔ تمام مسلمانوں کو اس پردہ نشین خاتون کا احسانمند ہونا چاہیے جس نے خاندانِ رسالتؐ کے ایک فرد کا احترام کیا۔ اور اپنے گھر میں امان دی۔ ادھر رات کا حصہ تیزی کے ساتھ گذر رہا تھا۔ ادھر حضرت مسلمؑ زادِ آخرت فراہم کرنے میں مصروف تھے۔

---

[1] فدخل بیتاً فی دارھا غیر البیت الذی تکون فیہ۔ ارشاد شیخ مفید

نماز عشا کے بعد ابن زیادؑ کا خطبہ اور گرفتاری پر انعام

(۲) بزدل ابن زیادؑ ہزاروں سپاہیوں کے بیچ میں تھا اور پھر بھی اس کو اپنی جان کا خطرہ تھا۔ قدم قدم پر حضرت مسلم بن عقیلؑ کی طرف سے خطرہ محسوس ہوتا تھا اور یہ اندیشہ تھا کہ ایسا نہ ہو ہاشمی تلوار کا سامنا ہو جائے۔ ڈھونڈنے میں ناکامی سے مزاجِ حکومت بھی برہم تھا۔ مگر نمازِ عشاء کے لئے مسجد کوفہ میں آنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ یہ وہی مسجد کوفہ ہے جہاں چند روز پہلے حضرت مسلمؑ امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اب ابن زیادؑ نماز پڑھاتا ہے۔ نماز عشاء کے لئے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ سپاہیوں کو حکم دیا کہ مسجد کے چپہ چپہ میں قندیلیں لے کر مسلمؑ کو تلاش کریں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی جگہ مخفی ہوں اور ان سے نقصان پہنچے۔ ساری مسجد میں آپ کو تلاش کیا اور مسجد کے نشیب میں جہاں سے طوفانِ نوحؑ شروع ہوا تھا کئی کئی بار روشنی پہنچا کر ڈھونڈا اور اطمینان حاصل ہونے پر ابن زیادؑ کو خبر دی گئی وہ دارالامارہ کے اس دروازہ سے جو مسجد کوفہ سے متصل تھا برآمد ہوا اور حکم دیا کہ تمام اہلِ کوفہ مسجد میں آئیں۔ تھوڑی دیر میں اہلِ کوفہ مسجد میں سمٹ آئے اور نماز کے بعد ابن زیادؑ نے خطبہ پڑھا اور حضرت مسلمؑ کی ذات پر ناروا حملہ کرتے ہوئے کہا۔

"فرزند عقیل جو عقل سے خالی سادہ لوح اور بالکل جاہل شخص ہے آیا اور تم نے دیکھا کہ کوفہ میں کتنے اختلافات پھیل گئے جس کے گھر میں وہ پائے جائیں گے اس کا گھر لوٹ لیا جائے گا اور خون معاف ہے۔"

اس حکم کے بعد عمرو بن حریث کو نشان دے کر امیر فوج بنایا اور کوفیوں کی خانہ تلاشی شروع ہوگئی۔ اور حکم عام ہوا کہ جو مسلمؑ کو پائے وہ ان کے ہاتھ باندھ کر جلد دربار میں حاضر کرے۔

حضرت مسلمؑ کے فنونِ حرب سے ماہر ہونے اور اعلیٰ سیاست کا یہ ایک قوی ثبوت ہے کہ ابن زیادؑ کا روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے اور کوفہ کی مخالف جمعیت ناکافی قرار پا کر شام کی ٹڈی دل فوج سے شہر چھلک رہا ہے۔ لیکن اس وقت تک وہ ایک تن تنہا شخص کے گرفتار کرنے میں کامیاب نہیں ہوا ہے جس کے پاس نہ فوج ہے نہ سرمایہ۔ افسوس ان کی بلند و بالا فکر اور خاندانی علم و فضل میں کمال کا اعتراف کرنے کے بجائے دشمنِ انسانیت حاکم ان کو بیوقوف و جاہل کہہ کر یاد کرتا ہے۔ اگر آدمؑ کے مقابلہ میں ابلیسؑ کی آواز "خدایا تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور ان کو مٹی سے" صحیح ہو سکتی ~~ہے اور موسیٰ~~ بن عمرانؑ سے تصادم میں فرعونؑ کا بنی اسرائیل سے کہنا " میں تمہارا بلند و بالا خدا ہوں " سچ ہوتا تو ابن زیادؑ کا دعوائے برتری بھی صحیح تھا مگر تو یہاں نور و نار، ایمان و کفر، علم و جہل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگر مسلمؑ کسی میزبان کے گھر یا کوفہ کی کوچہ یا شکستہ مسجد میں قتل ہو جاتے تو خاندانی شجاعت کے مظاہرہ کا کوئی موقع نہ تھا اور قتل کی اہمیت نہ رہتی، جبینِ شجاعت پر عرقِ انفعال آجاتا وہ محل اور موقع کے انتظار میں گھر گھر چھپتے پھرتے تھے اور ان کو اس وقت کا انتظار تھا کہ جنگ کا موقع ہاتھ آئے اور دنیا دیکھ لے کہ حسینؑ نے جس بہادر کو منتخب کر کے پیشرو بنایا وہ کیسا دلیر اور نڈر انسان ہے۔ وہ اپنی شجاعت کو آج تک محفوظ رکھتے رہے اور ان کو اسی دن کا انتظار تھا کہ دشمن کی طرف سے پہل ہو اور کسی طرح انتقام کا

حق پیدا ہو۔

وہ اپنی طاقت کو ذخیرہ کرکے اہل کوفہ کو یہ بتا دینا چاہتے تھے کہ انہیں کربلا میں کیسے بہادر دلیر جوانوں کا سامنا ہونے والا ہے۔ دنیا کو یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمؑ نے طوعہؒ کے گھر میں بجز پانی پینے کے کھانا نہیں کھایا ہے۔

(۴) قارئین کو یاد ہوگا کہ طوعہؒ بیٹے کے انتظار میں دروازہ پر ٹہل رہی ہے اس کے فرزند کا نام ہلال ہے اور اس کو خاندانِ رسالتؐ سے کوئی ہمدردی نہیں ہے رات کا ایک حصہ گذرنے کے بعد ماں کی آمد و رفت دیکھ کر اشتباہ ہوا اور سبب پوچھا۔ طوعہؒ نے ٹالنا چاہا۔ ہلال نے اصرار کیا۔ طوعہؒ نے مجبور ہوکر بیٹے سے اقرار کرلیا کہ اگر راز فاش نہ کرے تو میں حقیقت امر سے آگاہ کردوں۔ ہلال نے عہد کیا اور طوعہؒ نے پورا واقعہ بیان کردیا۔

یہ ضروری نہیں کہ ماں بیٹے کی گفتگو معزز مہمان کے کان میں بھی پہنچی ہو وہ سجادہ پر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے میزبان کے حجرے کو خیامِ حسینی کا نمونہ بنادوں اور شب عاشور کی عبادت کی تصویر کوفہ میں نظر آجائے۔

بھوکے تو تھے ہی پیاسا رہنا ان کے نزدیک کچھ دشوار نہ تھا مگر مجبور تھے اسلامی آئین سے مہمان بن کر اگر پانی سے بھی انکار کرتے تو حقوق میزبان کے خلاف تھا۔ اس لئے اپنی ضد بھی پوری کی کہ کھانا نہ کھایا اور طوعہؒ کا دل بھی رکھ لیا کہ پانی پی لیا۔ اگر رشتہ میزبانی نہ ہوتا تو مسلمؑ حسینؑ کے اصحاب کی مکمل تصویر ہو جاتے۔ عبادتِ الٰہی میں آنکھ لگ گئی اور کچھ دیر کے بعد جو آنکھ کھلی تو رو دیئے۔ اس مقام پر اختلاف ہے۔ پہلا قول یہ ہے کہ طوعہؒ نے صدائے گریہ سنی اور پانی کا کوزہ لے کر اُٹھی اور سببِ اشکباری پوچھا اور دوسرا

بیان یہ ہے کہ جب حضرت مسلمؑ نے حجرہ کے باہر قدم رکھا تو طوعہؒ آبِ وضو ہاتھ میں لئے استادہ تھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ طوعہؒ نے بھی شب بھر آرام نہیں کیا۔

طوعہؒ کے استفسار پر حضرت مسلمؑ نے فرمایا کہ میں سجدے میں سوگیا تھا اور ابھی اپنے چچا امیر المومنینؑ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں الوحا الوحا العجل العجل مسلم! جلد دُنیا کو چھوڑ دو اور پھرتی کرو آنے میں میں گمان کرتا ہوں کہ میری (دنیاوی) زندگی کی یہ آخری گھڑیاں ہیں اور حیاتِ آخرت کا آغاز ہے۔

ابنِ زیاد اور حضرت مسلمؑ کی گرفتاری کا سامان

ہلال ماں کے سمجھانے سے وقتی طور پر راضی ہوگیا تھا ورنہ اس کا بس چلتا تو اسی وقت ابنِ زیاد کو خبر کر دیتا۔ یہ گفتگو اس کے کان میں بھی پہنچی تھی اور وہ ماں سے پوشیدہ ہوکر دارالامارہ کی طرف بڑھا اور اپنے باپ اُسید حضرمی کو جو ابنِ زیاد کا خاص پہرہ دار تھا حضرت مسلمؑ کی اطلاع کردی اور کہا کہ ماں نے دشمن کو پناہ دی ہے۔ اُسید نے تعجب سے پوچھا کون دشمن؟ ہلال نے کہا مسلم بن عقیل۔ اس خبر کے سننے کا تو انتظار ہی تھا، امیدیں بر آئیں اور اس خدمت کے صلہ میں ابنِ زیاد نے ایک تیز رفتار گھوڑا اور زر نگار تاج اور اپنی گردن سے سونے کا طوق اتار کر ہلال کو دیا اور محمد بن اشعث کو گرفتاری کے لئے مامور کیا۔ عبید اللہ بن عباس سلمی کو بنی قیس کے ستر آدمی دے کر روانہ کیا۔ اعثم کوفی نے اس تعداد کو ٣٠٠ اور ابومخنف نے ٥٠٠ ظاہر کیا ہے۔ یہ مسلح فوج طوعہؒ کے گھر پہنچی اور مکان کا

سلہ ریاض المصائب   سلہ ناسخ التواریخ

محاصرہ کرلیا۔

شیرِ گرسنہ کی جنگ

(۴) ہتھیار کی جھنکار اور گھوڑوں کے ہنہانے کی صدا کان تک پہنچی تو طوعہؒ سے کہا ہتھیار لا۔

طوعہؒ :- اے میرے سید و آقا موت پر مستحکم کمر باندھلی ؟

مسلمؑ :- ہاں اب چارہ نہیں۔ یہ کہہ کر زرہ پہنی اور دشمن کی تعداد پر نظر کی اور تلوار کو ہاتھ میںؒ لے کر چند مرتبہ ہلایا اور ایک فلک شگاف نعرہ کیا۔ جیسے شیر اپنے شکار پر حملہ کرتے وقت ہمہمہ کرتا ہے۔ طوعہؒ نے اخلاقی فرض سمجھ کر روکا۔ مگر توبہ اب ہاشمی شیر کو کون روک سکتا تھا۔

مسلمؑ :- مجھے اندیشہ ہے کہ تیرے گھر میں فوجیں نہ آجائیں۔

آفریں اس ہمت مردانہ پر۔ ایسے سخت وقت میں بھی فرائض اخلاق کو فراموش نہ کیا۔ اگر طوعہؒ کے گھر میں فوجیں داخل ہوجاتیں تو اس بے حرمتی کا باعث حضرت مسلمؑ ہوتے۔ فوجوں کے آنے سے قبل اپنے برآمد ہونے کا سامان کرلیا۔

طوعہؒ :- خدا آپ کو بُرا وقت نہ دکھائے۔ اگر آپ قتل ہوگئے تو خدا کی قسم میں بھی آپ کے ساتھ یا آپ کے بعد قتل ہوکر آپ پر فدا ہوجاؤں گی۔

حضرت مسلمؑ کے پاس اس گلدستۂ عقیدت کا کوئی جواب نہ تھا۔ گھر سے نکلے اور حملہ کیا۔ طوعہؒ بالائے بام سے اپنے مہمان کی جنگ دیکھ کر کلمات تحریص کہہ رہی ہے ..... تھوڑی دیر میں فوجوں کو زیر و زبر کردیا۔ عمرو بن دینار کا بیان ہے کہ مسلمؑ اس عظیم الشان بہادری کے ساتھ لڑے کہ پہلوانوں کی کمر میں ہاتھ

ملہ وجعل ینظر الی القوم و یعبّر حساماً وعاد یصل دکما یصل والاسد علی فریستہ۔ ۲ہ فحمل مسلم الی الباب فقلعھا آپ نے دروازوں پر ٹھوکر لگائی اور دروازہ جسے بظاہر باہر سے بند کر دیا تھا گرادیا ۱۲ ریاض۔

ڈال کر ان کو ٹکڑوں پر پھینک دیتے تھے اور وہ زمین پر پہنچتے پہنچتے تمام ہو جاتے تھے۔ ۸۰ سپاہیوں کو قتل کیا اور بقیہ فوج کو شکست ہوئی۔ محمد بن اشعث لعین نے جب یہ رنگ دیکھا تو ابن زیاد ملعون سے مدد طلب کی۔ اس نے ۵۰۰ سپاہی اور بھیج دیئے۔ مسلمؑ نے تھکے ہوئے ہاتھوں سے ایک بار پھر حملہ کیا اور ایک جماعت کو اپنی تلوار سے موت کے گھاٹ اتار دیا اور بچا ہوا لشکر بھاگا۔ محمد بن اشعث لعین نے دوبارہ کمک چاہی اور اطلاع کی کہ مسلمؑ کی تلوار سے کوئی بچتا نظر نہیں آتا۔ جو قتل سے بچ گئے ہیں وہ ایسے زخمی ہیں کہ لڑ نہیں سکتے۔ ابن زیاد ملعون کو غصہ آگیا اور کہا کہ ایک تن تنہا سے لڑنے کے لئے اتنے سپاہی کافی نہیں ہوئے تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے اس وقت کیا ہو گا جب ہم تمہیں ان سے زیادہ بہادر انسان کی طرف بھیجیں گے۔ (یہ اشارہ واقعہ کربلا کی طرف تھا)۔ محمد بن اشعث ملعون نے جواب دیا کہ اے امیر تو گمان کرتا ہے کہ ہم کو کوفہ کے کسی بنیئے یا کسان کی طرف جنگ کرنے بھیجا ہے۔ تو نے ہم کو شیر درندہ اور خدا کی شمشیر برہنہ کی طرف بھیجا ہے۔ غرض ابن زیاد نے ۵۰۰ سوار اور بھیجے اور اپنے مکر و فریب سے یہ تدبیر بتائی کہ مسلمؑ کو امان دو۔ بغیر اس کے ان پر قابو حاصل نہیں ہو سکے گا۔ حضرت مسلمؑ نے تیسرا حملہ کیا اور رجز میں یہ شعر پڑھے۔

هو الموت فاصنع ویک ما انت صانع   فانت بکاس الموت لا شك جارع

فصبرا لامر الله جل جلاله   فحکم قضاء الله فی الخلق ذائع

"میدانِ جنگ میں لڑنا سہل ہے اور تنگ راستہ میں دست بدست جنگ ایک کارِ نمایاں ہے جس کا موقع کسی دلیر کو کم ملا ہو گا"۔ حضرت مسلمؑ کے ہاتھ سے کوفہ کی گلیوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی اور دشمن کو پیچھے ہٹنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اکثر عرب کے جنگجو افواج اپنے ساتھ لڑائی میں عورتوں کو بھی رکھا کرتے تھے تاکہ وہ

ایسی پُرجوش باتوں سے مجاہدین کا دل بڑھائیں۔ حضرت مسلمؑ کی اچانک جنگ میں اس کا موقع کہاں تھا۔ وہ تو مہمان بن کر آرام کی زندگی بسر کرنے آئے تھے مگر خدا بُرا کرے یزیدیت کا جس نے ان کی مہمان نوازی لیوں کی طوعہؒ نے اس رسم کو پورا کیا اور تاریخ میں ہے کہ آپ جنگ کر رہے تھے اور وہ بالائے[1] سطح سے جوش دلانے والے کلمات کہہ رہی تھی۔ دنیا نے دیکھا کہ عرب کی حمیت کو نز کے نامردوں کے ہاتھوں خاک میں مل رہی ہے اور طوعہؒ عورت ہو کر میزبانی کے فرض کی تکمیل کر رہی تھی۔ رسولِ اسلامؐ کے جہاد میں نسیبہ کی وفا اور مسلمؑ کی جنگ میں طوعہؒ کی وفا یاد رکھنے کے لائق ہے۔ ابھی مسلمؑ کی خوں آشام تلوار لہو برسا رہی تھی کہ محمد بن اشعث لعینؑ نے پکار کر کہا۔ اے مسلم جہاد نہ کرو۔ امیر نے تم کو امان دی ہے۔ فرمایا کہ میں تم کو امان دینا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر حمران بن مالک خثعمی کے اشعار حسب حال سمجھ کر پڑھے۔

میں نے قسم کھائی ہے کہ آزاد آدمی کے سوا کسی اور کو قتل نہ کروں گا اگرچہ میں موت کو ناپسند چیز دیکھتا ہوں۔ مجھے بُرا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو دھوکا دوں یا فریب یا ٹھنڈے اور گرم کو سمو دوں۔ سورج کی کرن اپنے ٹھکانے کی سمت پلٹتی ہے۔ ہر انسان عذاب آخرت سے دوچار ہوگا۔ میں تمہیں تلواریں لگا رہا ہوں اور برائی کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ میرا لڑنا اس بہادر کی طرح ہے جو کبھی جنگ سے نہیں بھاگا۔"

یہ بیان حرف بحرف صحیح ہے فرار کے مواقع پر کبھی پائے ثبات میں لغزش نہیں ہوئی۔ اصحابِ فیل جب خانۂ خدا کو گرانے کے لئے آئے اس وقت ابرہہ کے خوف سے مکہ خالی ہو گیا مگر صرف عبد مطلبؑ کا گھرانہ ثابت قدم رہا۔

---

[1] والمرادة من فوق السطح تحرصه على القتال

فاطمہ بنت اسدؑ کے جب درد زہ شروع ہوا اور کعبہ کی دیوار شق ہوئی تو گرتی ہوئی دیوار کے پاس سے ان کو بھاگنا چاہیئے تھا مگر وہ راہِ فرار اختیار کرنے کے بجائے کعبہ کے اندر چلی گئیں۔ بدر سے حنین تک جتنی لڑائیاں ہوئیں ان میں بنی ہاشم کے دامنِ شجاعت پر فرار کا داغ نہیں آیا۔ بجا ہے۔ اگر مسلم بن عقیلؑ اس روایتی خصوصیت پر فخر کریں اور پھر دشمن کے سامنے جو تذلیل تو کیا قتل پر آمادہ ہو۔

کوفہ اور شام کے جوان خاموشی سے رجز سنتے رہے اور ایک مصرعہ سے اختلاف نہیں کیا۔ اس رجز کے وقت بھی دشمن کی ایک جماعت قتل ہوئی۔ اس بے پناہ جنگ کے بعد یقیناً ہاتھوں کی قوت نے جواب دیدیا ہوگا۔ اب انصاف کا خون اور انتہائی بزدلی ہے اگر کوئی نبرد آزما مستقل جنگ کے ارادے سے سامنے آئے۔

پہلوان کی لڑائی

مکر و دغا تو یزیدیت کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا مضمحل اور ناتواں پر ہاتھ اٹھانا ان کی متین تہذیب تھی عرب کی خصوصیات کب کی ان کی بہیمیت اور بربریت کی نذر ہو چکی تھیں۔ جب مسلمؑ نے تھک کر ایک دیوار سے تکیہ کیا تو مالک مکان بکر بن حمرانؑ آلاتِ حرب سے مسلح ہو کر سامنے آیا اور انفرادی جنگ شروع ہوئی۔ بکرؑ فوج کے مشہور پہلوانوں میں سے اور بڑے کر وفر سے حملہ آور ہوا۔ بکر کو غالباً اسی وقت کے لیے رکھ چھوڑا تھا۔ مسلمؑ نے بھی اپنے ٹوٹے ہوئے ہاتھوں سے جوابی حملہ کیا اور کئی ضربوں کی رد و بدل ہوئی۔ بکرؑ نے تیز دستی سے دہن مبارک پر تلوار لگائی اور اوپر کا ہونٹ زخمی کر دیا۔ مسلمؑ نے سر پر حملہ کیا اور ایک کاری ضرب کے بعد اس نے راہِ فرار اختیار کی۔ اس کے بعد کوفہ کے لوگ سمجھ گئے کہ مسلمؑ پر کسی صورت سے فتح حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک ہر طرف سے ان کو نہ گھیرا

جائے۔ اس ارادہ کے ساتھ لشکر ہر طرف تقسیم کر دیا گیا۔ فوج کا ایک حصہ کوٹھوں پر سے پتھروں سے حملہ کرنے کے لیئے مامور ہوا۔ تیر اندازسپاہ نے پوری طاقت سے کمانوں کا رُخ یک و تنہا مسلمؑ کی طرف کر دیا۔ حکم کی دیر تھی ادھر کوٹھوں پر سے آگ اور پتھر برسنے لگے ادھر کمانوں سے تیروں کی بارش ہوئی۔ مسلمؑ نے سر اُٹھا کر کہا "تم کو کیا ہو گیا ہے۔ پتھروں سے مجھے ہلاک کر رہے ہو جیسے کافروں کو سنگسار کرتے ہیں میں تو نبیؐ کے گھرانے سے ہوں۔ رسولؐ کے حقوق ان کی اولاد کے ساتھ یونہی ملحوظ رکھے جاتے ہیں؟"

اس پند و نصیحت کا سُننے والا کون تھا؟ بات کہتے کہتے جناب مسلمؑ کے جسم پر اس قدر تیر پیوست ہو گئے جیسے[1] ساہی کے جسم پر خار ہوتے ہیں۔ فضائی حملہ نے سرتاپا زخم بنا دیا۔ اتنے زخموں کے بعد بھی اہل کوفہ کو ان کی شجاعت سے اندیشہ تھا۔ اس راہ میں جدھر مسلمؑ بڑھتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ ایک خندق تیار کر کے خس پوش کر دیا اور طے کر لیا کہ ہم پیچھے ہٹتے چلے جائیں یہاں تک کہ مسلمؑ اس خندق میں جا پڑیں۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام نے سب سے پہلے اپنی حفاظت کے لیے جنگ احزاب میں خندق تیار کیا تھا مگر اس سے دشمن کو کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا لیکن یہ خندق تو یزیدی مکر و فریب اور بزدلی کا ایک افسوسناک عملی نمونہ ہے جس کو آئین جنگ سے کوئی تعلق نہیں۔ پورا لشکر حملہ کرنے کے بعد پیچھے ہٹا اور مسلمؑ نے دائیں بائیں شمشیر زنی کرتے ہوئے سپاہیوں کو قتل کر کے تعاقب ہو گرانا شروع کیا اور نشیب میں گر پڑے۔ محمد بن اشعث لعین نے چہرے پر تلواریں لگائیں جس سے بینی مبارک کے اوپر کا حصہ اور حلقہ چشم اور دانتوں پر کاری زخم پہنچے۔ ابھی مسلمؑ گرنے نہیں پائے تھے۔ لپشت کے نیزے نے منہ کے بل زمین پر

---

[1] فصار جلدہ کالقنفذ من کثرۃ النبل ۱۲ ریاض المصائب

گرایا گویا شرطِ وفا کی تکمیل پر سجدۂ شکر کیا۔

ایک وقت وہ تھا کہ ماحول کی محبت میں کوفہ کی سفارت پر خوشی سے آمادہ نہ تھے اور قدم قدم پر سفر سے عذر تھا لیکن حکمِ امامت کے تہیب نے ارادے میں وہ پختگی پیدا کی کہ پھر ان سے زیادہ کوئی استقلال پسند نہ تھا۔ اسی طرح کوفہ پہنچ کر کشت و خون سے گریز کرتے رہے۔ جہاں خونریزی کا اندیشہ ہوا اس محلّہ کو خالی کر دیا۔ ابن زیاد کو قابو میں لا کر چھوڑ دیا۔ اور خود گھر گھر پناہ لی۔ مسجدوں میں پوشیدہ ہوئے۔ مگر جب وقت آ پڑا اور تلوار نیام سے کھینچی تو وہی ثباتِ قدم تھا جو شیرِ خداؑ کے بھتیجے میں ہونا چاہیئے۔ یہ ہے خاندانِ رسالتؐ کا رویّہ جس سے دنیا کو سبق لینا چاہیئے۔ اسی انسانیت نواز تہذیب اور تمدّن پر دلوں میں جذب پیدا ہوتا ہے برخلاف بنی امیہ کی ظالمانہ پالیسی کے جس پر عالمِ تہذیب میں صدائے نفرت بلند ہے۔ جب تک دست و بازو میں طاقت رہی کوئی نامرد سامنے نہ آیا۔ صبح سے عصر[۱] کے وقت تک لڑتے رہے۔ جب بےشمار فوجوں کو زیر و زبر کر چکے تو کوٹھوں سے پتھر برسا کر زخمی کیا۔ برآمدوں سے دہکتی ہوئی آگ پھینک کر جلانا چاہا اور آخر چاہِ خسپوش میں گرا کر اسیر کیا۔ بزدلی اس کو کہتے ہیں۔ ان ہی بہیمانہ حرکات پر دعوائے انسانیت ہے!

اسیری اور زندگی کے آخری لمحات

(۵) حضرت مسلمؑ کے گرتے ہی ان پر چاروں طرف سے نرغہ ہو گیا۔ محمد بن اشعث لعین نے بڑی بیدردی سے مجروح جسم سے زرہ اتار لی اور تلوار پر قبضہ کیا اور گرفتار کر کے کشاں کشاں دروازۂ دار الامارہ تک لایا جہاں ابن زیاد لعین کے خاص خاص ملنے والے انتظار میں تھے عمارہ بن عقبہ ابن ابی معیط لعین، عمر بن حریث لعین

۱؎ و بکر و القوم الیہ بکرۃ و عاد یقاتل الی وقت عصرہ ریاض

مسلم بن عمرؒ، کثیر بن شہابؒ ابن زیادؒ کی اس فتح پر خوش ہوئے اور مسلمؑ خون میں ڈوبے ہوئے تو رحریب سے نکل کر جو قصر ابن زیادؒ کے قریب آئے ٹھنڈے پانی سے بھرے ہوئے برتن دیکھے اور ابو مخنف کا بیان ہے کہ انہوں نے دو دن[1] سے پانی نہ پیا تھا۔ شبانہ روز رکوع و سجود میں مصروف رہے اور آپ سرد دیکھ کر پانی مانگا۔

مسلم بن عمر باہلیؒ :۔ دیکھتے ہو کیسا ٹھنڈا پانی ہے مگر خدا کی قسم ہم اس میں سے ایک قطرہ تم کو نہ دیں گے۔ یہاں تک کہ تم دوزخ کے گرم کھولتے ہوئے پانی سے سیراب ہو۔

مسلم بن عقیلؑ :۔ تجھ پر وائے ہو تو کون ہے؟

مسلم بن عمرؒ :۔ میں وہ ہوں جس نے حق کو پہچانا اس عالم میں کہ تم اس سے انکار کر چکے تھے اور میں نے اپنے امام کی اطاعت کی جبکہ تم اس سے برسرِ پیکار تھے میرا نام مسلم بن عمر ہے۔

مسلم بن عقیلؑ :۔ تیری ماں تجھ کو روئے۔ کس قدر سنگدل ہے تو جہنم میں جانے والا تو ہے اور دوزخ کے آبِ گرم کا سزاوار بھی تو ہے۔ (ذکر میں)

یہ نا عاقبت اندیش سمجھے تھے کہ بہشت کی تقسیم بنی امیہ کے چشم و ابرو پر ہے۔ جنت جاگیر ہے یزیدؒ کی۔ بھلا اس تنگ نظری کی بھی کوئی حد ہے کہ رسولؐ کا بھتیجہ مستحق دوزخ بتایا جائے اور ہندۂ جگر خوار کی اولاد امام ہو اور اس کے حق پر ہونے کا نثر میں قصیدہ پڑھا جائے۔ یہ اسلامی تعلیم ہے کہ پانی کا فرق تک کو پلاتے ہیں۔

---

[1] دکان مسلم بن عقیل لو ھیمن ما شرب فیھن ملاکلا نہ کان لیلہ ونہارہ ساجداً و راکعاً۔ ریاض۔ یہ رائے سابق کے بیان سے مخالف نہیں ہے۔ طوعہؒ کے گھر میں اس کی ضیافت میں ایک مرتبہ پانی پینا ثابت ہے جو آداب میزبانی کے تحت میں تھا یقیناً وہ دو دن کے پیاسے تھے ۱۲۔ مولف

حضرت مسلمؑ حجت تمام کرتے تھے ورنہ ان کو اس وقت آخر میں پانی کی ضرورت نہ تھی۔ جب آپ نے لوگوں کی یہ سختی دیکھی تو دربان کو قسم دی اور کہا تجھے محمدؐ کا واسطہ پانی کا ایک گھونٹ پلا دے۔ اگر میں زندہ رہ گیا تو تیرا یہ احسان باقی رہے گا اور اگر مر گیا تو اس کی جزا خدا دے گا۔ اور پیغمبرؐ کے چچازاد بھائی سے اجر لینا۔ دو روایتیں اس مقام پر ہیں۔ ایک تو یہ کہ دربان یہ گفتگو سن کر رو دیا اور اس نے پانی کا کوزہ بھر کر پیش کیا اور دوسری روایت یہ ہے کہ ابن عمر باہلیؒ کے سخت اور عامیانہ جواب سے عمر بن حریث بھی متاثر ہوا اور اپنے غلام کو حکم دیا کہ ایک جام آبِ سرد کا لائے۔ غلام نے تعمیل حکم کی اور پانی جو دہن مبارک تک پہنچا زخم سے لہو جاری ہوا اور پانی خون آلود ہو گیا۔ دوسرا کوزہ لائے وہ بھی خون سے ممزوج ہو گیا۔ تیسری مرتبہ آگے کے دونوں دانت کاسۂ آب میں گرے۔ اس وقت شکرِ خدا کرتے ہوئے کہا الحمد للہ اگر میرے قسمت میں رزق ہوتا تو سیراب ہو جاتا۔ اس گفتگو کے بعد سنبھل نہ سکے، دیوار پر تکیہ کر کے کھڑے ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ اپنی بے کسی پر روتے ہیں۔ فرمایا خدا کی قسم میں اپنی جان جانے پر نہیں روتا اور نہ اپنے قتل پر مرثیہ پڑھتا ہوں۔ میں امام حسینؑ اور ان کی جماعت پر روتا ہوں جو میرے بعد کوفہ پہنچنے والے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے محمد بن اشعثؒ کی طرف رُخ کیا اور (طنزیہ) فرمایا کہ "میں دیکھتا ہوں تو امان دینے سے عاجز ہے تو کیا میں تجھ سے ایک نیکی کی امید کروں اور وہ یہ کہ میری طرف سے کسی کو امام حسینؑ کی خدمت میں بھیج دے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ آج ہی کل میں کوفہ پہنچنے والے ہیں۔ ان کو آگاہ کر دے کہ مسلمؑ قید ہو گئے اور غروب آفتاب سے قبل ان کے قتل کی امید ہے اور وہ یہ (آخری) پیام

دیتے ہیں کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اپنے اہلِ بیت کو لے کر آپ پلٹ جائیے اور اہلِ کوفہ کے فریب میں نہ آئیے۔" محمد بن اشعث نے ظاہری طور پر اقرار کر لیا کہ میں پیام بھیجتا ہوں اور ابن زیاد سے کہوں گا کہ میں نے مسلمؑ کو امان دی ہے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ابن زیاد لعین کا فرستادہ آپ کو لینے کے لئے آگیا اور مسلمؑ خون میں نہائے ہوئے دربار میں آئے۔ ابنِ زیاد لعین نے قہقہہ[1] لگایا۔ جس سپاہی کی حراست میں تھے اس نے کہا امیر پر سلام کرو۔ مسلمؑ نے فرمایا چپ تجھ پر وائے ہو وہ تو میرا امیر نہیں ہے۔ میرا امیر میرا[2] سردار حسینؑ ہے۔ ابنِ زیاد پر تو وہ سلام کرے جس کو مرنے کا خوف ہو۔ ابن زیاد لعین نے کہا سلام کرو یا نہ کرو بہر حال قتل ہوگے۔ فرمایا مجھے اتنی اجازت دے کہ وصیت کر لوں۔ یہ کہہ کر آپ نے دربار پر نظر کی اور عمر ابن سعد لعین پر نگاہ پڑی اور کہا۔

مسلمؑ:۔ اے ابن سعد میری ایک حاجت ہے اور تجھ پر فرض ہے کہ میری تمنا پوری کرے۔ ابن سعد لعین نے کچھ پس و پیش کیا۔ ابن زیاد لعین نے کہا یہ بے رُخی کیسی جو کچھ کہیں اسے سُن۔ عمر سعد اٹھا اور مسلمؑ کو تخلیہ میں لے گیا۔ آپ نے فرمایا کہ میری پہلی وصیت یہ ہے کہ خدائے برحق کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے رسول اور علیؑ ولی ہیں۔ دوسری وصیت یہ ہے کہ میں نے تمہارے شہر سے ہزار[3] درہم قرض لیے تھے میری زرہ[4] بیچ کر ادا کر دینا۔ تیسرے میرے سردار حسینؑ بن علیؑ کو لکھ دینا کہ واپس جائیے۔ میں نے سُنا ہے کہ وہ اپنے اہلِ بیتؑ کو لے کر روانہ ہو چکے ہیں ان کا

۱؎ فتبسم ابن زیاد ضاحکا ریاض المصائب ۲؎ منبر ۳؎ سات سو درہم ۱۲ ارشاد شیخ مفید ۴؎ تلوار فروخت کرکے ۱۲ ارشاد شیخ مفید۔

بھی میرا ایسا انجام ہوگا۔ چوتھی وصیت یہ ہے کہ جب میں قتل کر دیا جاؤں تو میری لاش کو ابن زیاد سے لے لینا تاکہ وہ مجھے مثلہ[1] نہ کرے۔

ابن سعد:۔ تم نے کلمہ شہادت کے بارے میں جو کچھ کہا ہم بھی وہی کلمہ پڑھتے ہیں اور زرہ فروخت کرنے میں ہم کو اختیار ہے کہ چاہے قرض ادا کریں یا نہ کریں۔ اور جو کچھ حسینؑ بن علیؑ کے لئے کہا ہے تو وہ اس طرف آکر رہیں گے اور ہمارے ہاتھ سے ضرور سختیوں میں پھنسیں گے۔ یہ کہہ کر ابن زیاد کی طرف رُخ کیا اور اپنا اعتبار قائم کرنے کے لیئے کہا۔ مجھے معلوم ہوا کہ مسلم نے کیا کہا اور کیا جواب پایا۔ پوری گفتگو دہرادی۔

ابن زیاد نے کہا امانت دار کبھی خیانت نہیں کرتا۔ خدا تجھے رسوا کرے۔ اگر مجھے امین قرار دیتے تو ان کے راز کو چھپاتا اے پسر سعد تو نے جو یہ خیانت کی تو ہی پہلا وہ شخص ہوگا جو حسین بن علی سے لڑائی کا فرمان حاصل کرے گا۔ اس کے بعد ابن زیاد نے حضرت مسلمؑ کی طرف رخ کیا اور یہ سخت گفتگو شروع ہوئی۔

ابن زیاد:۔ کیوں عقیل کے بیٹے تم اپنے حلقۂ اطاعت سے باہر ہوئے اور فتنۂ خفتہ کو بیدار کیا۔

مسلمؑ:۔ اے فرزند زیاد تو جھوٹا ہے مسلمانوں میں تفرقہ معاویہ اور اس کے بیٹے یزید نے ڈالا ہے اور تو نے اور تیرے باپ نے فتنہ برپا کیا جو بنی علاج کے ثقیف گروہ کا غلام تھا۔ میں تو اس بات کا امیدوار رہتا ہوں کہ شریر ترین مردم کے سامنے قتل ہوں باپ کا پوست کندہ حال سُن کر ابن زیاد کو غصہ آیا اور کچھ سخت گفتگو کی حضرت مسلمؑ نے بات کاٹ کر پوچھا۔

---

[1] ریاض الجنان مولوی اشرف علی مثلہ جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو کہتے ہیں۔ پیغمبر خداؐ نے جانور کے اعضا پارہ پارہ کرنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ اسلام میں حضرت حمزہؑ کی نعش مثلہ کی گئی۔

مسلمؑ:۔ اے پسرِ مرجانہؓ تو ہی بتا مستحقِ خلافت کون ہے؟

ابن زیادؓ:۔ یزید بن معاویہ۔

مسلمؑ:۔ ہمارے تمہارے درمیان میں خدا فیصلہ کرے گا۔

ابن زیادؓ:۔ تم گمان کرتے ہو کہ خلافت میں تمہارا حصہ بھی ہے؟

مسلمؑ:۔ خدا کی قسم گمان نہیں بلکہ یقین ہے۔

ابن زیادؓ:۔ اچھا یہ بتاؤ کوفہ میں کیوں آئے؟ لوگوں میں اتحاد و اتفاق تھا۔ تم نے افتراق پیدا کیا۔

مسلمؑ:۔ میں اس لئے تو نہیں آیا کہ انقلاب ہو۔ تم نے برائیوں کا مظاہرہ کیا اور اچھائیوں کو دفن کر دیا اور لوگوں کی رضا کے بغیر ان پر حاکم بن بیٹھے اور تم نے ان میں قیصر و کسریٰ کی ایسی زندگی بسر کی تو ہم ان کے درمیان میں اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لئے اُٹھے اور کتاب و سنت کی طرف دعوت دی اور ہم اس کے اہل بھی تھے کھری کھری باتیں سُن کر ابن زیادؓ کو پھر غصہ آیا اور بہیمانہ انداز میں کہا۔

ابن زیادؓ:۔ اے فاسق تو خود ستائی کرتا ہے اور مدینہ میں شراب خوری کرتا تھا۔

مسلمؑ:۔ میں اور شراب پیوں! خدا جانتا ہے کہ تو سچا نہیں ہے اور میں ویسا نہیں ہوں جیسا کہ تو سمجھتا ہے۔ شراب پینے کا مجھ سے زیادہ تجھے حق ہے۔ تو نے تو مسلمانوں کی خونریزی کی ہے۔[1]

ابن زیادؓ کا غصہ اور زیادہ ہوا اور جذبۂ انتقام میں اور ناگفتہ بہ الفاظ

---

[1] ابن زیادؓ کے شراب خور ہونے کا ثبوت تاریخ طبری میں موجود ہے۔ یزیدؓ نے بادہ و پیمانہ کے سلسلہ میں جو اشعار نظم کئے ان میں ایک شعر یہ ہے اسقنی شربۃ تروی مشاشی ثم مل فاسق مثلھا ابن زیاد۔ مجھے ایک ایسا جام دے جو میرے جسم کے ایک ایک جوڑ کو سیراب کر دے پھر (اے ساقی) کھڑے ہو کر ایسا ہی ایک جام ابن زیاد کو پلا۔ (تاریخ الامم والملوک)

جناب امیرالمومنینؑ اور حسینؑ اور عقیلؑ کی شان میں استعمال کئے اور مسلمؑ نے پھر وہی جواب دیا اس کا حق تجھے اور تیرے باپ کو زیادہ ہے۔ اب وہ وقت آیا کہ ابن زیادؔ نے قتل کا ارادہ کیا۔

ابن زیادؔ۔ خدا مجھے قتل کرے اگر میں تمہیں اس طرح قتل نہ کروں جس طرح اسلام میں آج تک کوئی قتل نہیں ہوا۔

مسلمؑ:۔ تجھی کو یہ حق ہے کہ جو بات اسلام میں نہ ہوئی ہو وہ کرے۔

ابن زیادؔ نے حکم دیا کہ بکر ابن حمران احمریؔ کو لاؤ۔ اس پر مسلمؑ نے تلوار لگائی تھی جب وہ شقی سامنے آیا تو پوچھا تو مسلمؑ کو قتل کرے گا۔ اس نے اقرار کیا۔ کہا "مسلم کو بالائے قصر لے جا کر قتل کرو"۔ حضرت مسلمؑ نے کہا اگر تو ولدالزنا نہ ہوتا تو کبھی میرے قتل کا حکم نہ دیتا۔

سفاک ابن زیادؔ کے حکم سے حضرت مسلمؑ بالائے بام لائے گئے اس شان سے کہ ہر گام پر تسبیح و استغفار کر رہے تھے اور بارگاہ صمدیت میں شکوہ سنج تھے۔ بارالہا میرے اور اس قوم کے درمیان میں حکم کر جس نے ہم کو فریب دیا اور ہماری تکذیب کی اور ہمیں چھوڑ دیا اور قتل کیا۔ توحید پرست ایسے ہوتے ہیں کہ زندگی کے آخری لمحات میں بھی خدا کو نہیں بھولتے۔ قتل سے پہلے دو رکعت نماز کی اجازت مانگی قاتل نے انکار کیا۔ اس وقت آپ نے آب دیدہ ہو کر یہ شعر پڑھے:-

جزی اللہ عنا قومنا شر ما جزی	شرار الموالی بل اعق واظلما
ھم منعو ذاحتنا و تظاھروا	علینا ورامو ان نزل ونرغما
اغاروا علینا یسفکون دمائنا	ولم یرقبوا فینا زماما ولا دما
نحن بنو المختار لا خلق مثلنا	نبیٌ ابتدا لم کانہ ان تھدما
فانتم لولا جئتکم آل مذحج	وفرسانھا والسی فیھا المقدما

شہادت

مسلمؑ کس کے ہاتھ سے کیونکر اور کہاں شہید ہوئے ہر ہر جزو میں اختلاف ہے۔ واقعہ کے بعض اجزاء مورخین میں تسلیم شدہ بھی ہیں۔ ہم دیانت کے ساتھ تمام اقوال درج کرتے ہیں۔ ان کے قاتل کا نام اکثر نے بکر بن حمران[1] بتایا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں مسلمؑ کے قتل کرنے کی آرزو تھی۔ آپ کو اپنے قابو میں پا کر پہلے تو اس شقی نے شکر کیا اور کہا میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس نے تم پر مجھے مسلط کیا۔ یہ کہہ کر تلوار لگائی' وار خالی گیا۔ اب بھی حضرت مسلم کی جبین پر شکن نہ تھی۔ قاتل نے دوسرا وار کیا اور آپ شہید ہو گئے۔ وہ سراسیمہ بالائے قصر سے اُترا۔ ابن زیاد نے پوچھا کہ اے بکر تجھے کیا ہو گیا ہے۔ بکر نے جواب دیا مسلمؑ کو قتل کرتے وقت میں نے دیکھا کہ ایک شخص مہیب[2] صورت دانتوں میں انگلی دبائے کھڑا ہے۔ میں کبھی اس طرح سے نہیں ڈرا جیسا کہ آج خوف طاری ہوا۔ ابن زیاد نے کہا جو دہشت طاری ہو گئی تھی یہ اس کی خیالی تصویر ہے۔

بعض اہل تحقیق کا بیان ہے کہ جب بکر[3] نے قتل کا ارادہ کیا تو ہاتھ نہ اٹھ سکا اور بقولے اس کا ہاتھ[4] خشک ہو گیا اور وہ ناکام پلٹا۔ ابن زیاد کو خبر کی۔ اس نے دوسرا شخص بھیجا۔ جب اس نے تلوار اٹھائی تو دیکھا کہ پہلو میں پیغمبر خداؐ کھڑے ہیں وہ ٹھوکر کر گرا اور جان بحق تسلیم ہو گیا۔ آخر کار ایک شامی نے قتل کیا۔ اور بعد شہادت سر بریدہ اور لاش کوٹھے سے گرا دی گئی۔ ان اقوال کا مقصد یہ ہے کہ شہادت کے بعد لاش کو گرایا۔ میرے نزدیک فاضل وطواط کی رائے تمام بیانات میں مکمل ہے۔ ان کی تحریر سے قاتل کے نام کی بھی تصحیح ہوتی ہے۔

پھر ابن زیاد[5] نے کثیر بن حمران[6] کو حکم دیا کہ وہ مسلمؑ کو سقف[7] دارالامارہ پر لے جائے اور وہاں سے نیچے گرا دے۔ اس نے حکم کی تعمیل کی لیکن بالائے قصر

---

[1] جلاء العیون علامہ مجلسی [2,3] منتہیٰ [4] وغرر الخصائص الواضحہ وعرر النقائص الفاضحہ مولفہ امام اہلسنت ابواسحاق برہان الدین ابراہیم بن یحییٰ بن علی کتبی معروف بہ وطواط صفحہ ۲۱ مطبوعہ مصر ۱۳۱۸ھ

سے نیچے گرانے کے بعد حضرت مسلمؑ زندہ تھے۔ اس وقت ان کی گردن زدنی کا حکم ہوا۔ اور سر کاٹ کر لاش کو سُولی دی گئی۔ ابن زیادلعن نے جو کہا تھا وہی کیا۔ کسی سلطنت نے سخت سے سخت جرم کرنے والے کے لیے قتل میں یہ وحشیانہ انداز ہرگز اختیار نہیں کیا کہ وہ بالائے قصر سے نیچے گرادیا جائے اور استخواں ٹوٹ جانے کے بعد بھی زندہ رہے، تو تلوار سے گردن کاٹی جائے اور پھر بھی جذبۂ انتقام ختم نہ ہو۔ لاش کو سُولی دی جائے۔

مرثیہ

شاعر اہل بیت حضرت دبیر مرحوم نے اس جگر خراش داستان مصیبت میں پورا مرثیہ نظم کرکے اپنے فریضۂ عقیدت کو ادا کیا۔ اور ہم ان کے بلند پایہ تخیلات کو نظر انداز کرنا اصولِ تالیف کے منافی سمجھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ تخیلات نہ ہوں اور فاضل شاعر نے کسی مقتل سے تصویر کشی کی ہو۔ پیغمبرِ خداؐ[1] مدینہ میں موعظہ فرمارہے ہیں اور ان کا مظلوم بھائی جعفر طیارؑ جنگ موتہ میں دشمنوں کے ہاتھ سے قتل ہو رہا ہے۔ مرسلؐ کے سامنے سے حجاب اُٹھ جاتے ہیں اور بھائی کو بھائی کا آخری دیدار ہو جاتا ہے۔ اگر وہ رسولؐ کا معجزہ ہے تو حسینؑ بھی پیکرِ رسالتؐ کا جزو ہیں۔ ممکن ہے کہ مسلمؑ کو وقتِ آخر آپ نے زیارت سے محروم نہ رکھا ہو۔ مرزا صاحب طاب ثراہ غالباً اسی نظریہ کے تحت میں فرماتے ہیں :-

تب دھیان میں شبیرؑ کے مسلمؑ یہ پکارے
کعبہ میں ہو یا راہ میں صدقے میں تمہارے
اب کٹتا ہے سر لوگ تماشائی ہیں سارے
دیکھو مرے آقا مری حسرت کے نظارے
اعجاز سے پردے مری آنکھوں سے اٹھادو
یا سبطِ نبیؐ آخری دیدار دکھادو

کعبہ سے اسی روز روانہ ہوئے تھے شاہ
مسلمؑ تو لب گور تھے شبیرؑ سر راہ
جبریلؑ نے کوفہ کی زمیں سے کہا ناگاہ
ہاں حکم خدا ہے تو بلند آتی ہو واللہ
مسلمؑ شہہِ مظلومؑ کی تصویر کو دیکھے
شبیرؑ اسے دیکھے یہ شبیرؑ کو دیکھے

---

[1] حیات القلوب

کوفہ کی زمیں نے سر رفعت کیا پیدا | پر ساری زمینوں پہ ہوا زلزلہ برپا
چلنے سے رکا راہ میں اسپ شہ والا | اور تھم گئے سب اشتر زینت زہراؑ
ہاتف نے ندا دی یہ محمدؐ کے خلف کو | یا سبط نبیؐ دیکھئے کوفہ کی طرف کو
کوفہ کی طرف شاہ نے منہ اپنا پھرایا | سیدانیوں نے محملوں سے پردہ اٹھایا
اللہ نے مسلمؑ کا جماں ان کو دکھایا | بیٹھا ہوا تلوار کے نیچے نظر آیا
پیہم تھی نظاروں میں صدا ہائے اخی کی | یاں فاطمہؑ روتی تھیں وہاں روح علیؑ کی
چہروں پہ طمانچے حرم شاہؑ نے لگائے | ملنے کے لئے ہاتھ رقیہؑ نے بڑھائے
چلائی کہ لو اماں وہ بابا نظر آئے | سب کہتے تھے بابا نے وہاں شہر بسائے
نے فرش پہ نے سایۂ دیوار کے نیچے | بابا تو مرے بیٹھے ہیں تلوار کے نیچے
شبیرؑ پکارے ترا بابا ہے بہت دور | پر خالق مختار کو اب یوں ہوا منظور
قاتل سے وہاں کہنے لگے مسلمؑ رنجور | حسرت مری پوری ہوئی اے ظالم مقہور
اب کاٹ کے سر کو یہی مرنے کا مزہ ہے | آقا مرا اس وقت مجھے دیکھ رہا ہے

یہ دلدوز واقعہ ۹ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کا ہے۔ اس سے ایک دن قبل امام حسینؑ نے مکہ چھوڑا تھا۔

حمایت مسلمؑ میں سب سے بڑی چوتھی قربانی
ہانی کی شہادت اور مرنے کے بعد مصائب میں اشتراک

(۷) مہمان کو قتل کرنے کے بعد میزبان پر ظلم کے پہاڑ گرائے گئے ابن زیاد لعین نے حکم دیا کہ اب ہانیؓ بھی قتل ہوں۔ محمد بن اشعث لعین نے کہا کہ اے امیر ہانی کا جو اعزاز اس شہر میں ہے وہ تو جانتا ہے۔ ان کے قوم و قبیلہ کا بھی تجھے تعارف ہے۔ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ کوفہ بھر دشمن ہو جائے۔ ہانی کو مجھے دیدے۔ ابن زیاد لعین نے اس تحریک کو مصلحتاً منظور تو کیا مگر درپردہ حکم دیدیا کہ جب لوگ گوسفندوں کی خرید فروخت میں مشغول ہوں، اس وقت ہانی بھی قتل کر دیئے جائیں۔ ہانیؓ رسن بستہ آئے۔ یہ وہ شخص ہے کہ چار ہزار سوار

زرہ پوش اور ہزار پیادے ہانیؓ کے ساتھ رہا کرتے تھے اور جب قبیلہ کندہ یا دیگر قبائل سے کبھی مدد طلب کی تو ہزار زرہ پوش جوان لبیک کہتے تھے۔ لیکن آج جب بازار سے قید ہو کر چلے تو ایک ایک قبیلہ کا نام لے لے کر پکارتے تھے مگر کوئی جواب نہ دیتا تھا۔

زمانہ کی انقلابی حالت سے ہانیؓ کو اور زیادہ طیش آیا اور زور کر کے ہاتھوں کو بندِ رسن سے چھڑا لیا اور پکار کر کہا کہ کاش کوئی چھری یا لکڑی، پتھر مجھے مل جائے تو جہاد کروں۔ ملازمینِ ابنِ زیادلعؐ نے دوبارہ ہاتھوں میں رسی باندھی اور ابن زیادلعؐ کے غلام نے جس کا نام رشید ترکی بتایا جاتا ہے انتہائی بے دردی کے ساتھ قتل کیا۔ ہانی کی زبان پر شہادت کے پہلے یہ فقرات تھے "ہم کو خدا ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے بار الٰہا تیری رضا اور رحمت کی طرف آتا ہوں"۔

ہانیؓ کو قتل کر کے ابن زیادلعؐ نے حکم دیا کہ مسلم و ہانی کے سر کوفہ کے بازاروں میں پھرائے جائیں اور جس محلہ میں گوسفند فروخت ہوتے ہیں وہاں دونوں (مظلوموں) کو الٹا کر کے سولی پر چڑھایا جائے۔[۱]

سولی سے پہلے یا بعد لاشوں پر یہ مصیبت بھی پڑی کہ کوفہ کے حیوان صفت ظالم انسان پیروں کو ہاتھ میں لے کر گلی گلی کھینچتے پھرے بالآخر سر تو یزیدلعؐ کے پاس روانہ کیا گیا جو اس نے دمشق[۲] کے دروازہ میں لٹکا دیا اور لاشوں کو سولی سے اتار کے قبیلہ مذحج نے غسل دیا نماز پڑھی اور سپرد خاک کیا۔ فرزدق یا عبداللہ بن زبیر[۳] اسدی نے ایک جگہ خراش مرثیہ نظم کیا۔ "اگر تم جانتے ہو کہ موت کیا چیز ہے تو ہانیؓ اور فرزندِ عقیلؑ کی طرف بازار میں دیکھو۔ اس بہادر کی سمت نگاہ کرو جس نے چہرہ پر تلواریں کھائیں اور پھر وہ کوٹھے سے گرا کر قتل کیا گیا حکم حاکم ان پر نافذ ہوا اور ان دونوں نے یوں صبح کی کہ ان کی مظلومیت کی داستان راستہ چلنے والوں کی زبان پر ہے۔ وہ فریب کار جو ہانیؓ کو ابن زیادلعؐ کے پاس لے گئے کیوں آرام سے گھوڑوں پر سوار ہیں حالانکہ قبیلہ

---

[۱] امر بصلبہما منکوساً ۱۲ مناقب ابن شہر آشوب [۲] جلاء العیون

[۳] الزبیر الاسدی بفتح الزاو کسر الیاء والمروج الذہب تاریخ کامل۔

مذحج ان کی تلاش میں ہے اور خون کا بدلہ لینے کے درپے ہے۔

تو اس جسم کو دیکھتا ہے جس کے رنگ کو موت نے بدل دیا۔ اور ہر طرف لہو بہتا ہے۔ بنی مراد اسے گھیرے ہوئے ہیں اور دیت کے منتظر ہیں اور انہیں کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ اے قوم اگر تم اپنے بھائی کے خون کا عوض نہ لو تو تمہارا حال اس زناکار عورت کا ایسا ہوگا جو تھوڑی رقم پر راضی ہو جاتی ہو۔" قبیلہ مذحج کے جوانوں نے ہانیؒ اور مسلمؑ[۱] کے خون کا انتقام لینے کے لیے تین دن تک پیہم جنگ کی۔ اس جنگ ہی کا نتیجہ تھا کہ لاشیں حاصل ہوئیں ورنہ مجروح جسم بھی نہ ملتے۔

پانچویں اور چھٹی قربانی

گذشتہ بیان میں عبد الاعلیٰ بن یزید کلبیؒ اور عمارہ بن صلخبؒ کی گرفتاری سے قارئین باخبر ہو چکے ہیں جو نصرت مسلمؑ کے ولولہ میں گھروں سے چلے تھے۔ مورخ طبری کا بیان ہے کہ یہ دونوں جانباز بھی مسلمؑ و ہانیؒ کی شہادت کے بعد ابن زیادؑ کے حکم سے قتل کر ڈالے گئے۔ اور ان کے دل کی آرزو دل ہی میں رہی۔

گرفتاریاں

شیعیانِ اہل بیت اور حسینؑ بن علیؑ کے ہمدرد جو مٹھی بھر سے زیادہ نہ تھے اس وقت عجیب عالم میں تھے۔ ان کو چھپنے کیلئے گوشوں کی تلاش تھی جن کا ملنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ ابن زیادؑ کو معلوم تھا کہ عنقریب حسینؑ بن علیؑ تشریف لانے والے ہیں۔ اگرچہ ہمتیں پست ہو چکی ہیں لیکن ان کے آنے سے کہیں پھر انقلاب پیدا نہ ہو جائے لہٰذا اس نے تلاش کر کے جن جن اشخاص سے اندیشہ ہو سکتا تھا انہیں قید کرنا شروع کیا۔ چنانچہ مختارؒ ابو عبیدہ ثقفیؒ جو مسلمؑ کے خروج کے موقع پر کوفہ میں موجود نہ تھے اور اسی دن اطلاع پاکر آئے لیکن ایسے وقت پہنچے کہ مسلمؑ کی جنگ ختم ہو چکی تھی اور عمر بن حریث نے رایتِ امان بلند کیا تھا جو

---

[۱] واقتتلوا اقتتالاً شدیداً ثلثۃ ایام فاخذنا ھما منھم وغسلوا ھما وکفنوا ھما ودفنوھما ۱۲ ریاض۔ [۲] قاتلانِ حسینؑ کا مذہب تیسرا ایڈیشن اپریل ۱۹۳۳ء از تاریخ طبری جلد ۷ صفحہ ۱۸

شخص اس کے نیچے چلا آئے اس کا جان و مال محفوظ ہے لیکن مختارؒ کو امان نہ مل سکی اور وہ پابزنجیر کر دیئے گئے اور اسی طرح عبیداللہ بن حارث بن نوفل اور دیگر اشخاص کے قید و بند کا سلسلہ جاری ہوگیا اور جیلخانے قیدیوں سے چھلکنے لگے۔ اس سیاست کی نوعیت کا اندازہ ابن زیادؒ کی اس تقریر میں جو یزیدؒ کی ہلاکت کے موقع پر اس نے کی ہے اس فقرہ سے ہوتا ہے "کوئی[1] ایسا شخص نہیں جس پر گمان بھی ہو سکتا تھا کہ وہ حکومت کی مخالفت کرے گا مگر یہ کردہ قید خانہ کے اندر ہے۔"

سرِ مسلمؒ یزیدؒ کے سامنے

ہانیؒ ایسے با اقتدار شخص کے قتل اور اتنی گرفتاریوں کے بعد اب کوفہ میں ابن زیادؒ کے خلاف کوئی ظاہری بےچینی نہ تھی مسلمؒ کا سر دمشق بھیجنے کے لیے عمر بن نافع کو بلایا گیا اور ابن زیادؒ نے حکم دیا کہ مسلم و ہانی کا حال لکھ کر یزید کو اطلاع دی جائے۔ پسر نافع نے تحریر میں غیر معمولی طول دیا۔ اور یہ وہ پہلا شخص ہے جو خطوط میں طول دینے کو حسن سمجھتا تھا۔ ابن زیادؒ نے خط کو ناپسند کیا اور حکم دیا کہ یوں لکھو۔ "شکر ہے اس خدا کا جس نے امیر المومنین (یزیدؒ) کے حق کو محفوظ رکھا اور دشمن کی سختی کو دفع کیا۔ واضح ہو کہ مسلم نے ہانی بن عروہ مرادی کے گھر میں پناہ لی اور میں نے ان پر جاسوس اور نگہبان مقرر کیے اور دونوں کو گرفتار کر کے ان کے سر کاٹے جو ہانی بن ابی حبہ وداعی اور زبیر بن اروح تمیمی کے ہاتھ روانہ کر رہا ہوں۔ یہ ہماری جماعت کے خاص آدمی ہیں۔ ان سے مفصّل حالات پوچھے جا سکتے ہیں۔ والسلام۔

دونوں سر دمشق پہنچے۔ یہ شام کا پایۂ تخت ہے۔ یزیدؒ نے سروں کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر شاہراہ[2] کے اس تنگ راستہ پر لٹکا دیا جو عام گذرگاہ تھی اور ہر شخص ادھر سے گذرتا تھا۔

---

[1] ما ترکت لکم ذا ظنة اخافہ علیکم وھو فی سجنکم۔
[2] فنصب برأسین فی درب من دمشق المدخل الضیق لانہ کالباب ۱۲

آٹھواں باب

نامہ بر کی سرفروشی، خطوط پر قبضہ کرنیکی کوشش

شہادتِ مسلمؑ کے بعد کیا ہوا؟

(۱) یزیدی دورِ حکومت میں اگر ایک مدعو شدہ مہمان کا قتل ہو جانا ممکن ہے تو خانہ کعبہ میں کسی حاجی پر قاتلانہ حملہ بھی کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یزیدؔ نے ماتحت حکومتوں کو قتلِ حسینؑ پر بالکل تیار کر دیا۔ مکہ کی حکومت یحییٰ بن حکم بن صفوان بن امیہ کے ہاتھ میں تھی اس سے بنی ہاشم کو کافی خطرہ تھا۔ امام حسینؑ زمانہ کے نشیب و فراز کو عمیق نظروں سے دیکھ رہے تھے اور جس ڈر میں ان کو اپنا وطن مدینہ چھوڑنا پڑا تھا وہی ڈر مکہ سے ہجرت کا باعث ہوا۔ اگر ایک دن اور رہ جائیں تو حجاج کے مجمع میں ان کا قتل ہونا یقینی تھا اور اسلام کے دامن پر وہ بدنما داغ پڑتا جو دھوئے نہ چھوٹتا۔ بقر عید کی آٹھویں کو منگل کے دن اچانک چل کھڑے ہوئے، ابن عباسؓ، محمد حنفیہؒ جو یزیدی چال سے آگاہ نہ تھے ان پر اس ارادہ کی تبدیلی کا خاص اثر پڑا لیکن حسینؑ ابن علیؑ کے استقلال میں ذرہ بھر کمی نہ ہوئی وہی ہوا کہ جس دن آپ نے مکہ چھوڑا اس کے دوسرے دن کوفہ میں مسلم بن عقیلؑ شہید ہوئے یہ قافلہ حج سے محروم منزل حاجر پر پہنچا اور آپ مکہ سے دُور اور کوفہ سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ منزل ٹھیک جنگل کے بیچ میں واقع ہے اور حجاج یہاں ضرور قیام کرتے ہیں۔ اس جگہ پہنچ کر اہلِ کوفہ کو ایک خط لکھا اور قیس بن مسہر صیداویؒ کے ہاتھ روانہ کیا قادسیہ میں جو کوفہ سے پندرہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ حصین بن نمیرؔ کے زیرِ قیادت امام حسینؑ کو گرفتار کرنے کے لیے

فوجیں کافی تعداد میں پڑی ہوئی تھیں۔ قیسؓ کو آتے دیکھ کر حصین لعؔ نے گرفتار کیا اور ابن زیاد لعؔ کے پاس پہنچا دیا۔ اس نے حکم دیا کہ بالائے قصر جا کر (العیاذ باللہ) کذاب بن کذاب حسین بن علی پر لعنت کرو۔ قیسؓ بظاہر تعمیل حکم کے لیے دارالامارہ کی سقف پر پہنچے اور وہاں جا کر خدا کی حمد و ثنا کی اور پکار کر کہا کہ "حسینؑ کائنات میں سب سے بہتر ہیں۔ ان کی ماں فاطمہ زہراؑ دختر رسولؐ ہیں اور میں انہیں کا پیامبر ہوں۔ میں نے ان کو حاجر میں چھوڑا ہے۔ ان کی آواز پر لبیک کہو۔ یہ کہہ کر ابن زیاد لعؔ اور اس کے باپ پر لعنت کی اور جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے لیے استغفار کر کے اپنی تقریر کو ختم کیا۔"[1]

ساتویں قربانی

ابن زیاد لعؔ نے چاہا تھا کہ قیسؓ حسینؑ کا دوست دار ہو کر کوٹھے پر چڑھ کر جب ان پر لعنت کرے گا تو میرے ارادوں میں اور زیادہ قوت پیدا ہو گی۔ لیکن آفرین قیسؓ کی عقل و فراست پر کس حکمت عملی سے اپنے مقصد کو پورا کیا۔ اگر لعنت کا نام سن کر برافروختہ ہوتے تو فوراً قتل کر دیئے جاتے اور جو مقصد لے کر آئے تھے وہ رہ جاتا۔ ابن زیاد لعؔ نے قتل کا حکم دیا اور بات کہتے کہ وہ تہ تیغ ہو گئے۔ یہ تھے حسینؑ کے اصحاب جو حسینیت پر مر مٹنے میں فخر کرتے تھے اور آخری نفس تک مقصد کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔

(۲) امامؑ کے دوسرے نامہ بر کا نام عبداللہ بن یقطرؓ ہے ان کو بطن رمہ سے عہدہ رسالت پر مامور کیا۔ ابن جذری نے تاریخ میں دونوں خطوں کو نقل کیا ہے اور ظاہر کیا ہے کہ منزل زبالہ پر پہنچ کر اس نامہ بر کی خبر شہادت ملی۔ جس واقعہ

[1] ان الحسین بن علی خیر خلق اللہ ابن فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا رسولہ الیکم وقد فارقتہ بالحاجر فاجیبوہ ثم لعن ابن زیاد واباہ واستغفر لعلی۔ تاریخ کامل ص۱۷

نگار نے بھی عبداللہ بن یقطرؓ کا نام پیش کیا ہے وہ ان کی یہ خصوصیت بھی بتاتا ہے کہ عبداللہؓ حضرت سید الشہداءؑ کے دودھ شریک بھائی تھے۔ مجھے اس فضیلت کے تسلیم کرنے میں عذر ہے اور نص[1] موجود ہے کہ امام حسینؑ نے کسی عورت کا دودھ نہیں پیا بنابریں رضاعت شرعی تو یقیناً نہ تھی یا یہ ممکن ہے کہ عبداللہؓ کی ماں نے اپنا فضل و شرف سمجھتے ہوئے ایک آدھ بار دودھ پلا دیا ہو اور اس بنا پر عبداللہؓ مجازاً برادر رضاعی مشہور ہو گئے ہوں۔

یہ خط خاص[2] حضرت مسلمؑ کے نام تھا اور عبداللہؓ بھی منزل قادسیہ پر پہنچ کر حصینؔ کے ہاتھ سے گرفتار ہوئے۔ ہم اس واقعہ کو ناسخ التواریخ سے نقل کرتے ہیں۔ عبداللہ بن یقطرؓ، حسینؑ بن علیؑ کے خط کو سر عزت و احترام پر رکھ کر روانہ ہوئے اور قادسیہ پہنچ کر حصین بن تمیرؔ کے جاسوس نے گرفتار کیا۔ عبداللہؓ نے فوراً خط کو چاک کر ڈالا تاکہ دشمن راز پر مطلع نہ ہو۔ حصینؔ نے خط کا مطالبہ کیا عبداللہؓ نے انکار کیا۔ انکار کے بعد ان پر اور زیادہ سختی کی گئی اور دونوں ہاتھوں کو گردن سے باندھ کر دارالامارہ لائے۔

ابن زیادؔ:۔ تم کون ہو اور یہاں کیا کرنا چاہتے ہو؟

عبداللہؓ:۔ میں امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے فرزند حسینؑ کے شیعوں میں سے ہوں۔

ابن زیادؔ:۔ جو خط لایا تھا وہ کیوں چاک کیا؟

عبداللہؓ:۔ اس لیے کہ تجھے خبر نہ ہو اس میں کیا لکھا ہے۔

ابن زیادؔ:۔ کس کا خط تھا اور کس کے نام تھا؟

عبداللہؓ:۔ حسینؑ کا خط، اہل کوفہ کے نام۔

---

[1] عن الصادق انه قال لم یرضع الحسین من ثدی فاطمة ولا من انثیٰ بل کان یوتیٰ به النبی فیضع ابهامه فی فیه (ریاض الجنان)
[2] سرحه الی مسلم بن عقیل۔

ابن زیاد لعین:۔ کس کس کے نام تھا؟

عبداللہؒ:۔ میں ان کے نام نہیں جانتا۔

ابن زیاد لعین:۔ (غصہ سے سرخ ہو کر) جن کے نام تھا تم کو بتانا پڑے گا اور حسینؑ اور ان کے باپ بھائی پر لعنت کرنا ہو گی۔ اگر اس حکم سے سرتابی کی تو جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔

عبداللہؒ:۔ میں اس جماعت کے نام ہرگز نہ بتاؤں گا، البتہ منبر پر جا کر لعنت کر سکتا ہوں۔

ابن زیاد لعین نے منبر پر جانے کا حکم دیا اور عبداللہؒ نے حمد و نعتِ الٰہی کے بعد اہلِ بیت اطہارؑ پر درود بھیجا اور ابن زیاد لعین اور اس کے باپ پر لعنت کی اور بنی امیہ کے نام لے کر ہر جابر پر تبرا بھیجا۔ اس زلزلہ فگن خطبہ کا یہ اثر تھا کہ مجمع ہمہ تن تصویر تھا اور ابن زیاد لعین کا کوئی ایک حاشیہ نشین بھی قطع سخن پر آمادہ نہ ہو سکا۔ عبداللہ بن یقطرؒ نے پکار کر یہ بھی کہا کہ "اے اہلِ کوفہ میں حسینؑ کی طرف سے تمہاری طرف پیامبر بن کر آیا تھا ان کو بطنِ رمہ میں میں نے چھوڑا ہے، تم کو چاہیے کہ اپنے امامؑ کی صدا پر لبیک کہو۔"

آٹھویں قربانی

یہ حسینؑ کا معجزہ تھا کہ عبداللہؒ جب مطلب کی بات کہہ چکے تو ابن زیاد لعین نے حکم دیا کہ منبر سے اتار کر ہاتھ پاؤں باندھ کر بالائے قصر لے جاؤ، اور اوپر سے گرا دو۔ مجمع بغض و عناد میں بھرا بیٹھا تھا اور عبداللہؒ اسی حالت میں کوٹھے پر پہنچائے گئے اور ان کو بے دردی کے ساتھ اوپر سے گرا دیا گیا۔ تمام جسم کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ ایک رمق حیات باقی تھی کہ عبدالملک بن عمیر لعین آگے بڑھا اور اس نے عبداللہ کا سر کاٹ لیا۔ حاضرین نے پوچھا یہ کیا حرکت تھی تو اس سنگدل نے جواب دیا کہ میں نے راحت دی۔

(نوٹ) قیس بن مسہرؒ اور عبداللہ بن یقطرؒ کے واقعات ایک دوسرے سے ملتے ہوئے دیکھ کر شیخ مفید علیہ الرحمہ[1] اور دوسرے اہلِ قلم کو اشتباہ[2] ہوا ہے کہ یہ واقعہ قیس بن مسہرؒ ہی کا ہے۔ ہم نے واقعات کی تدوین میں تاریخ کامل کو شمعِ راہ قرار دیا ہے۔

(۳) کوفہ میں حضرت مسلمؑ کا قتل اس قدر اہمیت کی نگاہ سے دیکھا جا رہا تھا کہ ہر طرف سنسنی پھیلی ہوئی تھی اور سنجیدہ اہلِ کوفہ نے جو جیل جانے سے بچ گئے تھے طے کر لیا تھا کہ اب یزیدیت نواز کوفی حسینؑ سے وفا نہیں کر سکتے۔ لہٰذا نصرت حسینؑ کا اگر کچھ بھی جذبہ ہے تو رفتہ رفتہ کوفہ چھوڑ دینا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ شہادت حضرت مسلمؑ کی خبر آقائے کونینؑ کو مختلف لوگوں کے ذریعہ سے ہوئی۔

(۱) عبداللہ بن سلیمان اور منذر بن اسمٰعیل دو اشخاص کا بیان ہے کہ ہم نے حج سے فراغت پائی تو دل میں ٹھان لیا کہ امام حسینؑ سے ملحق ہو کر رہیں گے اور معلوم کریں گے کہ وہ کس عالم میں ہیں جلد جلد راستہ طے کرتے ہوئے منزل زرود پر پہنچے اور حسینی سپاہ سے ملحق ہوئے دیکھا کہ کوفہ کی طرف سے ایک شخص آ رہا ہے اور لشکر دیکھ کر راستہ کاٹ دیا۔ امامؑ چاہتے تھے کہ آنے والے سے کچھ پوچھیں مگر جب اس نے راہ بدل دی تو آپ بھی خاموش ہو گئے۔ عبداللہ اور منذر چشم و ابرو کا اشارہ پا کر دوڑے اور سوار کے قریب پہنچ کر سلام کیا اور پوچھا کہ

---

[1] لما بلغ الحاجر من بطن الرمہ بعث قیس بن مسھر الصیداوی ویقال انہ بل بعث اخاہ من الرضاعۃ عبد اللّٰہ بن یقطر ۱۲ ارشاد شیخ مفید ص۲ حتی اتوا بذات الرمل فبعث الحسینؑ عبد اللّٰہ بن یقطر وقیل قیس بن مسھر الصیداوی رسولا الی الکوفہ ریاض المصائب ص۲۷۵

تو کون اور کس قبیلہ سے ہے۔ اس نے جواب دیا میں بنی اسد سے ہوں اور میرا نام بکر ہے۔ کہا ہم بھی اسدی ہیں یہ تو بتاؤ کہ کوفہ کے لوگوں کو کس حال میں چھوڑا؟ اس سوال سے اس دلی تعلق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو عبداللہ اور منذر کو خاندانِ رسالت سے تھا، بکر نے بیساختہ کہا کہ میں کوفہ سے نہیں نکلا مگر اس وقت جب مسلم بن عقیلؑ و ہانی بن عروہ کو مقتول دیکھ نہیں چکا (ظالم) ان کے پیروں کو ہاتھ میں لے کر بازاروں میں کھینچتے پھرتے ہیں۔ عبداللہ و منذر یہ خبر بد سُن کر اُلٹے پاؤں پلٹے اور منزل زبالہ پر پہنچ کر امامؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے پاس ایک خبر ہے۔ اگر کہیئے تو سب کے سامنے کہیں ورنہ اکیلے میں عرض کریں۔ آپ نے باوفا اصحاب کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ ان سے کاہے کا پردہ ہے۔ عرض کیا کہ ہم نے اس آنے والے سوار سے سُنا کہ مسلمؑ و ہانیؒ قتل ہو گئے۔ امامؑ نے انا للہ و انا الیہ راجعون کہا۔

دنیا تو یہ سمجھ رہی تھی کہ آپ کا کوفہ کی طرف رُخ ہے۔ اسی ظاہر پر بنا کر کے عبداللہ اور منذر نے کہا کہ یا ابن رسول اللہ بہتر ہوگا کہ آپ وطن کی طرف پلٹ جایئے کوفہ میں آپ کا کوئی ہمدرد نہیں ہے۔ امامؑ نے فرزندانِ مسلم کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ مسلم تو قتل ہو گئے اب تمہاری کیا رائے ہے۔ عرض کیا خدا کی قسم جب تک ہم ان کے خون کا انتقام نہ لے لیں گے یا خود نہ مر جائیں گے دم نہ لیں گے۔

عبداللہ اور منذر نے محسوس کر لیا کہ حسینؑ کے ارادہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی اور اب مدینہ واپس جانا قریب ناممکن ہے۔ اس ضمیر کو دریافت کیا اور یہ دونوں اسدی رخصت ہو گئے۔ خبرِ شہادتِ مسلمؑ سُن کر امامؑ نے یہ اشعار پڑھے جن کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو۔ "یقیناً اگر دنیا شئی نفیس ہے تو ثواب کا اُخروی گھر اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے اور اگر جسموں کی ساخت مرنے کے لیے ہوئی ہے تو خدا کی راہ میں جوانمرد کا مر جانا سب سے بہتر اور برتر ہے اگر روزی مقدر میں مقرر

اور متعین ہے تو کسب معاش کی لالچ میں کی سب سے اچھی بات ہے۔ اگر مال کا جمع کرنا چھوڑنے کے لیے ہے تو انسان ایسی چیز پر کنجوس کیوں بنتا ہے۔ میں عنقریب گذر جاؤں گا اور مرد کو مرنے سے ذلت نہیں جبکہ وہ حق پر ہو اور اسلام کی حالت میں جنگ کرے نیک آدمیوں کی دل سے مدد کرے اور نا داروں اور گنہگاروں سے الگ تھلگ رہے اگر میں قتل ہوگیا تو مجھے شرمندگی نہ ہوگی اور اگر جیتا رہا تو قابل ملامت نہ ہوں گا۔ خاک مذلت پر ناک رگڑتے اور ذلت و خواری سے مجھے مرجانا کافی ہے۔"

زمانہ کا گوناگوں حال دیکھ کر امام حسینؑ نے اپنی رائے کو محفوظ رکھا تھا۔ اور لوگ اہل کوفہ کی دعوت سے خود یہ رائے قائم کرتے تھے کہ آپ کا کوفہ کی طرف جانا یقینی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ مسلم اور آپ میں فرق ہے۔ اگر کوفہ کا سفر ہو تو اب بھی لوگ رجوع کریں اور دشمنوں کو دفع کریں جو جس کی سمجھ میں آتا تھا وہ کہہ رہا تھا مگر آپ مشیت ایزدی کے تابع تھے۔

دختر مسلمؑ صرف تیرہ برس کی تھی اور امام زادیوں کے ساتھ رہ کر تربیت پائی تھی۔ امام حسینؑ خیمہ میں آئے تو صاحبزادی کو بلایا اور غیر معمولی نوازش سے پیش آئے۔ شاہزادی کو یقین ہوگیا کہ یہ شفقت تو بے پدر بچوں پر کی جاتی ہے۔ گھبرا کر پوچھا:

یا ابن رسول اللہؐ! آپ یتیموں کی ایسی مرحمت فرمارہے ہیں۔ کیا بابا میرے شہید ہوگئے۔ حضرت کو یارائے ضبط نہ رہا، رونے لگے اور فرمایا اے دختر اندوہگیں نہ رو اگر مسلمؑ نہیں ہیں تو میں باپ کی جگہ ہوں۔ میرے بیٹوں کو اپنا بھائی اور لڑکیوں کو بہن سمجھنا۔ دختر مسلمؑ نے فریاد کی اور یتیم بچوں نے عمامے سر سے اتارے، اہل حرم میں کہرام پڑ گیا۔ یہ بیان تو سپہر کاشانی کا تھا۔ صاحب ضیاء الابصار نے اس غم انگیز محل پر جو الفاظ اپنے معتبر ترین مقتل میں نقل کیے ہیں اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے "شہادت

مسلمؑ کی خبر سن کر ——— پھر (امامؑ) جگہ سے اٹھے اور خیمہ کی طرف گئے اور دخترِ مسلمؑ کو پکارا، اس بچیؑ کی عمر اس وقت گیارہ برس کی تھی۔ جب وہ نزدیک آئی اور قریب پہنچی تو آپ نے دو گوشوارے طلب کئے اور اپنے ہاتھ سے کانوں میں پہنائے پیشانی اور سر پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے جس طرح کہ یتیموں کے ساتھ کرتے ہیں اور وہ بچیؑ اس شفقت پر رو دی۔ ضیاء الابصار کا خطی نسخہ ایک برٹش میوزیم میں ہے دوسرا مصنف کی اولاد کے پاس اور تیسری نقل بخط نستعلیق میرے کتب خانہ وقف مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں موجود ہے۔

(ب) ہلال بن قیس نافع بجلیؒ اور عمر بن خالدؒ نے نصرت امام کے جذبہ میں ساتھ کوفہ چھوڑا اور راستہ میں ملحق ہوئے اور مسلمؑ و ہانیؒ کی خبر قتل سے آگاہ کیا۔ حضرت نے اِنا لِلّٰہ و انا الیہ راجعون کہہ کر پوچھا کہ تمہیں میرے[1] نامہ بر کا بھی کچھ علم ہے؟ عرض کیا ہاں، وہ بھی قتل ہوگیا۔ آپ نے پھر اناللہ کہا اور ایلچی کو دعا دی[2]۔ خدایا اس کے لیے بہشت کو اس خدمت کا ثواب قرار دے۔

(ج) فرزدق شاعر نے بھی جناب مسلمؑ کی خبر بڑے دلدوز طریقہ سے دی۔ حضرت آبدیدہ ہوگئے۔ اور فرمایا خدا مسلمؑ پر رحمت نازل کرے وہ روح و ریحان کی سمت پہنچے اور رضائے باری سے لطف اندوز ہوئے ان پر جو ہونے والا تھا ہوا اور جو ہم پر ہونے والا ہے وہ ہوگا۔

اس قیامت زا خبر کے بعد امامؑ نے ایک خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ ہمارے نام نہاد شیعوں نے ہم کو چھوڑ دیا تو اب جو شخص پلٹ جانا چاہے وہ واپس ہو سکتا ہے۔ اس پر میری طرف سے کوئی بار نہیں۔ یہ سننا تھا کہ لوگ داہنے اور بائیں پراگندہ ہونا شروع ہوگئے اور آپ کے ساتھ وہ لوگ باقی رہ گئے جو مکہ سے چلے تھے۔

---

[1] ثم قال للرکب ولکم علم من رسولی قالوا نعم قتلہ [2] جعل اللّٰہ لہ الجنۃ ثوابًا اللّٰھم اجعل لنا ولشیعتنا منزلاً کریمًا انک علیٰ کل شیء قدیر۔

نواں باب

اولاد (۱) جناب مسلمؑ کی عالمِ غربت میں شہادت ابھی بالکل تازہ واقعہ تھا اور اس کا اثر امامؑ کے دل پر بہت زیادہ تھا اس لئے شبِ عاشور آپ نے اپنے اصحاب سے جو خطبہ فرمایا اس میں اولادِ عقیلؑ سے خاص طور پر کہا کہ تمہارے لیے مسلمؑ کا قتل ہو جانا کافی ہے تم چلے جاؤ میں تم کو اجازت دیتا ہوں مگر ان سب نے متفق ہو کر کہا کہ "بھلا لوگ ہم کو کیا کہیں گے کہ ہم نے اپنے سردار اور سیّد کو چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ نہ کوئی تیر مارا نہ نیزہ لگایا نہ تلوار چلائی اور خبر بھی نہ لی کہ اُن پر کیا گذر گئی ہرگز ہم ایسا نہیں کریں گے بلکہ ہم اپنی جان اور مال آپ پر فدا کریں گے اور آپ کے ساتھ رہ کر جنگ کریں گے یہاں تک کہ جو آپ کا انجام ہو وہی ہمارا بھی ہو کیونکہ خدا غارت کرے اس زندگی کو جو آپ کے بعد ہو" یہ نونہال مدینہ سے مکّہ اور پھر مکّہ سے کربلا تک سفر کی تمام سختیوں میں ساتھ رہے اور ان کو یہ بے پناہ عزّت حاصل ہے کہ بنی ہاشم میں سب سے پہلے انہوں نے اپنی قربانی پیش کی۔

عبداللہ بن مسلمؑ جناب رقیہؑ کے بطن سے تھے اس لحاظ سے عبداللہ کو امام حسینؑ کے ساتھ دوہرا رشتہ تھا ایک تو چچازاد بھائی کے بیٹے تھے اور پھر بھانجے، ان کی عمر صرف چودہ سال کی تھی تازہ یتیم تھے ولولہ اور امنگ کا زمانہ تھا۔ مدینہ سے چلنے والے افراد میں بھی عبداللہ بن مسلمؑ کا ذکر ہے۔ تقاضائے سن تھا کہ شوق شہادت میں ہم سنوں پر سبقت لے جانے کا دل و دماغ میں خیال ہو خدا نے ارادہ

---

(۱) تنقیح المقال ج ۲ صفحہ ۲۱۱ (۲) جلاء العیون

میں کامیاب کیا۔ باپ کی بیکسی اور غربت کی تصویر ہر وقت نظروں میں پھرتی تھی۔ ان کے خونِ ناحق کا انتقام لینے پر کربلا میں پہنچنے سے پہلے تلے ہوئے تھے جس طرح باپ کو ہراول فوج ہونے کا فخر حاصل تھا اسی طرح خود بھی بنی ہاشم میں پہلے شہید قرار پائے اور سب سے پہلے جو آلِ ابوطالبؑ سے میدان میں آئے وہ یہی عبداللہ تھے بیوہ ماں نے کیونکر رخصت کیا چچا زاد، ماموں زاد بھائیوں نے کس طرح وداع کیا بھائیوں نے کیونکر صدمۂ فراق برداشت کیا۔ بہن نے کیا کہہ کر دل کو سمجھایا، اس کا ہمیں علم نہیں "واقعات کا فقدان ہے" امامؑ کے قلب پر راانڈ بہن کے اکلوتے فرزند کو مرنے کی اجازت دیتے وقت جو گذری وہ اس جواب سے واضح ہے جب انصار کام آ چکے تو اس نوعمر مجاہد نے اپنی خدمات پیش کیں، امامؑ نے فرمایا کہ مسلمؑ کی شہادت کو ابھی بہت دن نہیں ہوئے۔ میری رائے ہے کہ ضعیف ماں کا ہاتھ پکڑ کے کربلا چھوڑ دو اور یہاں سے چلے جاؤ۔ عبداللہؓ نے عرض کیا کہ میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جو دُنیا کی چندروزہ زندگی کو حیاتِ جاودانی پر قربان نہ کر دیں دل تمنا ہے کہ میری قربانی کو قبول کیجئے مبدءِ فیض سے اذنِ جہاد ملا اور بچہ اس طرح میدان میں آیا کہ چہرے پر گرد بیٹھی ہونٹوں پر پیاس کا بے پناہ اثر دست و بازو میں اتنی ہی طاقت جو چودہ برس کے بچہ میں ہونا چاہیئے مگر دل اتنا قوی کہ ٹڈی دَل فوج پر رجز پڑھ کر حملہ کیا۔

الیوم القیٰ مسلماً وھو ابی ‌ ‌ ‌ ‌ وفتیۃً بادوا علی دین النبیؐ

لیسو لقوم عرفوا بالکذب ‌ ‌ ‌ ‌ لکن خیارٌ کرام النسب

من ہاشم السادات اہل الحسب

باپ سے ملنے کی آرزو، صدقِ مقال، حسب و نسب میں امتیاز پر لوگوں کو گواہ

بنا کے تلوار کھینچی۔ گھوڑا مہمیز کیا۔ تین حملوں میں ۹۸ دشمنوں کو قتل کیا اور آخر کار عمر بن صبیح[۱] اور اسید بن مالک[۱] کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ زیارت شہدا میں ممتاز الفاظ میں ان پر سلام موجود ہے۔

السّلام علی القتیل بن القتیل عبد اللہ بن مسلم بن عقیل لعن اللہ قاتلہ
سلام ہو عبد اللہ بن مسلم بن عقیلؑ اس کشتۂ جفا پر جو خود بھی شہید اور جس کا باپ بھی شہید ہے خدا ان کے قاتل اور ان پر تیر پھینکنے والے پر لعنت کرے۔

اس شہزادے کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ ان کے جہاد کا ذکر امام زین العابدینؑ کی حدیث میں موجود ہے۔ طبری نے عبد اللہ بن مسلمؑ کی شہادت حضرت علی اکبرؑ کے سر فروشی کے بعد لکھی ہے اور ان کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ عبد اللہؑ اس قدر کم سن تھے کہ لڑنے کے قابل نہ تھے۔ شہادت علی اکبرؑ کے ہنگامہ میں دیگر بچوں کے ساتھ ان کی شہادت پیشانی پر تیر پڑنے سے ہوئی اور بچہ کا دستِ نازک پیشانی سے جُدا نہ ہو سکا۔ دوسرے تیر نے سینہ پر پہنچ کر کام تمام کیا۔ اس بیان کی صحت پر کوئی دلیل میرے سامنے نہیں ہے۔ بظاہر راوی نے نام کے تعیین میں غلطی کی ہے۔

محمد بن مسلمؑ — یہ عبد اللہؑ کے مختلف البطن بھائی تھے ماں ان کی کنیز تھیں[۲]۔ عمر بارہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ عبد اللہ کے قتل ہونے کے بعد ایک قول تو یہ ہے کہ اولاد ابی طالب نے ایک ساتھ حملہ کر دیا اور امامؑ نے آواز دی ہاں میرے چچا کے فرزندو موت کے مرحلہ کو آسان کر دو اور دوسرا قول ہے کہ منتیں کر کے امامؑ سے اذنِ جہاد حاصل کیا اور زخمی شیر کی طرح دشمن پر حملہ کیا اور سیف و سنان سے چند پہلوانوں کو قتل کیا۔ آخر ابو جرھم ازدی[۱] اور لقیط ابن ایاس جھنی[۱] کے نیزے سے شہید ہوئے۔ کم سنی کے سبب سے

---

[۱] جلاء العیون [۲] تنقیح المقال

رجز اور جہاد کی تفصیل سے مقاتل خالی ہیں جلاء العیون میں ہے "محمد برادر باد بجنگاہ در آمد و بطلب خون برادر جمعے ازاں بدبختاں را بقتل آورد" زیارت شہداء میں اس کا ذکر نہیں ہے بجائے اُس کے ابی عبداللہ بن مسلمؑ کا نام موجود ہے۔ ممکن ہے کہ محمد ہی کی کنیت ابوعبداللہ ہو۔ اس شہزادے کو یہ فخر حاصل ہے کہ کلام معصوم روایت امام محمد باقر علیہ السلام میں ان کی شہادت کا ذکر موجود ہے۔

قبر یہ دونوں نونہال گنج شہیداں میں بنی اسد کے تعاون سے امام زین العابدین علیہ السلام کے روبرو اور شہدائے کربلا کے ساتھ دفن کیئے گئے۔ انصارِ حسینؑ کی زیارت میں زائر کا ضمنی سلام ان پر بھی پہنچتا ہے۔

باب المراثی

قطب شاہی دَور کا شاعر اور قدیم اردو احمد

دیکھو یاراں معصوماں پر وقت کیسا آ پڑیا
پردیس جانی طفلاں او پر کیا مشکل آ پڑیا
دونوں فرزند مسلم کے تھے چھپ کر قاضی پاس
ڈو کر قاضی کا پریا گھر سوں پکڑا پی چھپ کے پاس
کوتوالیاں نے لائے پکڑ کر عبداللہ کوں دے خبر
بھیجیا انکوں بندی خانے کہیا رکھو قید کر

ہاشم علی المتوفی ۱۱۴۶ھ

وہ دو صغیر موت اپسکی دیکھی عیارہ
کہتے تھے بیکسی سوں کہ اے حارث الامان
زلفاں کوں کاٹ بیچ ہمن کوں جو بندیاں
منظور ہے اگر تجھے سیم و طلا کتیں

(مخطوطات دکھن)

فصیح

اقربائے شہ بیکس کی جو باری آئی
پہلے اولاد میں مسلمؑ کی ہوئی تیاری
ان کی مادر تھی رقیہؑ جو ستم کی ماری
وہ بھی تھی حیدر کرارؑ کی بیٹی پیاری
شہ مظلومؑ پہ جان اپنی فدا کرتی تھی
رات دن ماتم مسلمؑ میں بکا کرتی تھی

انیس

آیا جو عزیزوں کے لیے موت کا پیغام — فرزندوں نے جعفرؑ کے بڑے رن میں کیے نام
اولادِ عقیلؑ آپلی شبیرؑ کے جب کام — لڑنے گئے تب مسلمؑ بیکس کے گل اندام
محشر تھا بپا ندیاں بہتی تھیں لہو کی — بچوں نے الٹ دی تھیں صفیں فوج عدو کی

وحید

شہؑ سے مسلمؑ کے جگر بندوں نے رخصت پائی — کس دلیری سے گئے فوج پہ دونوں بھائی

مونس

اے زید و قیس و عابس و عامر مدد کو آؤ — مسلمؑ کے لاڈلو دمِ آخر مدد کو آؤ

نفیس

دہنی طرف تھے قاسمؑ و اکبرؑ بصد جلال — بائیں طرف تھے جعفرؑ و مسلمؑ کے نونہال

شمشیر

دی جان بخوشی نصرتِ شاہ دوسراؑ میں — دو لال ہیں مسلمؑ کے بھی فردِ شہدا میں

خنجر

صفِ اعدا میں تلاطم ہے ڈرے جاتے ہیں — تیغیں تولے ہوئے مسلمؑ کے پسر آتے ہیں

عیش پاروی

مسلمؑ کے نونہالوں نے یوں شہؑ پہ جان دی — ننھے سے سن میں لڑ کے بڑا نام کر گئے
اعدا میں یہ تھا شور کہ شیر دل کے شیر ہیں — مسلمؑ کے پسر ہیں یہ بہت ہی دلیر ہیں

یکتا امروہوی

سمجھو نہ ہمیں خورد جری اور نڈر ہیں
اے بزدلو ہم حضرتِ مسلمؑ کے پسر ہیں

طفلانِ مسلمؑ کی شہادت

(۲) پسرانِ مسلمؑ جو حارث کے ہاتھ سے شہید ہوئے ان کے حالات ارباب تاریخ میں بہت کم افراد نے لکھے ہیں، سپہر کاشانی نے اعثم کوفی اور تاریخ روضۃ الشہداء سے ان دلدوز حالات کو نقل کیا ہے۔ حبیب السیر کا ماخذ بھی غالباً روضۃ الشہدا ہے۔ ان مورخین کا بیان ہے کہ جب حضرت مسلمؑ ہانیؓ کے گھر سے نکلے تو بچوں کو قاضی شہر کے سپرد کیا اور شریح نے ان کو مدینہ جانے والے ایک قافلہ کا پتہ دے کر با عزاز و اکرام رخصت کیا اور بچے قافلہ کو نہ پا کر گرفتار ہو گئے۔ اور آخر میں حارث کے ہاتھ سے قتل ہو گئے۔ اس بیان میں مجھے چند عذر ہیں:۔ (۱) ایسے پُر آشوب زمانہ میں بچوں کو اپنے ساتھ رکھنا خلافِ مصلحت ہے عقل نہیں قبول کرتی کہ مسلمؑ بچوں کو لے کر چلے ہوں۔ (۲) اس روایت میں ان صاحبزادوں کو قاضی شریح کی طرف سے سو دینار سرخ سے امداد کا بھی ذکر ہے۔ قاضی شریح کو ہرگز یہ ہمدردی خاندانِ رسالتؐ سے نہ تھی اور ایسے کم عمر بچوں کو جو تنہا سفر کر رہے ہوں مسافرت میں اس قدر زر خطیر دینے کی کوئی وجہ ہے۔ اس روایت کا اختراع بظاہر قاضی شریح کا پوزیشن صاف کرنے کے لئے ہوا ہے اور روایت بے بنیاد ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ بچے کربلا سے گرفتار ہوئے۔ اور اسرائے اہل بیت کی روانگی سے پہلے ان کو اسیر کر کے قید تنہائی میں رکھا گیا یہی تحقیق ہمارے بلند پایہ عالم جناب صدوق علیہ الرحمۃ کی ہے لہٰذا ہم جناب ممدوح کا دلدوز بیان دیگر تاریخوں سے مناسب اضافہ کے بعد درج کرتے ہیں تاکہ موضوع تشنۂ تفصیل نہ رہے۔

"شہادتِ حسینؑ کے بعد (اولادِ حضرت مسلمؑ سے) دو بچے (جن کا سن ۸ – ۷ برس کا تھا) پسر سعدؑ نے گرفتار کر کے کوفہ روانہ کر دیئے۔ ابن مرجانہؑ نے جب ان یتیموں کو دیکھا تو جذبۂ انتقام میں قید خانۂ کوفہ کے جیلر کو بلا کر حکم دیا کہ ان کو ایک تنگ و تار حجرہ میں قید کر اور خبردار ان کو اچھا کھانا اور ٹھنڈا پانی نہ دینا۔ بچے دن کو روزہ رکھتے تھے

اور جب رات ہوتی تھی تو زندان بان دو روٹیاں جَو کی اور گرم پانی کا کوزہ لے کر آتا اور شاہزادے افطار کرتے۔ ان سختیوں میں سال بھر گزر گیا تو بھائی نے بھائی سے کہا کہ مدتِ اسیری بڑھتی جاتی ہے اور (ہم دیکھتے ہیں کہ) یوں ہی عمر کٹ جائے گی اور جسم سڑ جائیں گے (لہٰذا بہتر ہو گا کہ) جب زندان بان کھانا لے کر آئے تو اس کو اپنے تئیں پہچنوائیں اور پیغمبرِ خداؐ سے جو قرابت ہے اس سے آگاہ کریں ممکن ہے کہ وہ کھانے کی مقدار کچھ بڑھا دے اور پانی پینے کا زیادہ کر دے۔ مردِ پیر جس کا نام بعض تاریخوں میں مشکور بتایا جاتا ہے وہی قیدیوں والا کھانا لیئے آیا اور شہزادوں نے گفتگو شروع کی۔

یتیمانِ مسلمؑ:۔ اے شیخ تو (جناب) محمد (مصطفیٰ ؐ) کو بھی جانتا ہے؟"

مشکورؒ:۔ بھلا میں ان کو کیونکر نہ پہچانوں۔ وہ میرے نبی ہیں۔

یتیمانِ مسلمؑ:۔ جعفر بن ابی طالبؑ کو بھی جانتا ہے؟

مشکورؒ:۔ ہاں خدا نے ان کو دو بازو دیئے ہیں جن کی مدد سے وہ بہشت میں جہاں چاہتے ہیں پرواز کرتے ہیں۔

یتیمانِ مسلمؑ:۔ تو (جناب) علی بن ابی طالبؑ کو بھی پہچانتا ہے؟

مشکورؒ:۔ میں ان کو کیونکر نہ جانوں گا وہ پیغمبرِ خداؐ کے چچازاد بھائی ہیں۔

یتیمانِ مسلمؑ:۔ ہم تیرے نبی کے خاندان سے ہیں اور مسلم بن عقیلؑ ہمارے باپ ہیں قیدیوں کا انتظام تیرے ہاتھ میں ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اچھا کھانا ہم کو کھلا کرے۔

یہ سُنتے ہی زندان بان قدموں پر گر پڑا اور پیر چوم کر عرض کیا کہ "میری جان تم پر فدا ہو دروازہ قید خانہ کا کھلا ہوا ہے جدھر چاہو چلے جاؤ۔" رات ہوئی اور آب و طعام سے سیر کر کے قید خانہ کا دروازہ کھول دیا کہ رات کو چلنا اور دن کو کہیں چھپ رہنا۔ یہاں تک کہ خدا مدد کرے۔

نویں قربانی

سال بھر تک جن کو آزادی کی ہوا نہ لگی تھی وہ بیکس آج رہا بھی ہوئے تو سنِ طفولیت میں کدھر جائیں نہ راستوں سے واقف نہ پیروں میں

طاقت اگر اپنا شہر ہوتا تو راہ جانتے کس سے راستہ پوچھیں اور ہمدردی کون کرے زمانہ پُر آشوب ہے۔ یہ تو بعد میں معلوم ہوگا کہ یتیموں پر کیا گذری۔ ابھی بچے کسی منزل پر نہ پہنچے تھے کہ ان کے قید خانہ سے گم ہو جانے کی شہرت ہوئی۔ ابن زیادؔ ایسے ظالم فرمانروا کو اپنی انتظامی کمزوری پر طیش آیا اور اس خیال میں کہ میرے زیرِ حکومت ایسا سنگین واقعہ ہو جائے، سب سے پہلے مشکورؒ کو طلب کیا گیا اور وہ مردِ میدان بالکل بے خوف ہو کر پسرِ مرجانہ کے سامنے آگیا۔ ممکن تھا کہ مشکورؒ روپوش ہو جاتا یا وہ بھی راتی رات ہجرت کر جاتا مگر تو بہ اہل بیتؑ کے موالی بھی فرار کو ننگ و عار سمجھتے ہیں اور ان کو مرنے کا انتظار رہتا ہے۔

خود قضا آتی نہیں اہلِ وفا کے سامنے
یہ چلے آتے ہیں آپ اپنی قضا کے سامنے (یکتا امروہوی)

ابن زیادؔ: مشکور بتا کہ مسلمؑ کے بچے کیا ہوئے؟

مشکورؒ (دلیرانہ لہجہ میں) :- میں نے ان کو خدا کی راہ میں آزاد کر دیا۔

ابن زیادؔ :- مجھ سے نہ ڈرا؟

مشکورؒ :- میں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ اے پسرِ زیادؔ تو نے ان کے باپ کو قتل کیا۔ اب ان کے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے؟

ابن زیادؔ :- میں ابھی حکم دیتا ہوں کہ تیرا سر تن سے اڑا دیا جائے۔

مشکورؒ :- جو سر رسولؐ کی راہ میں نہ ہو اس کو میں چاہتا بھی نہیں۔

ابن زیادؔ نے حکم دیا کہ اس بوڑھے مجاہد کو ۵۰۰ تازیانے لگا کر گردن اڑا دو۔ یہ ظالمانہ حکم انتظام کی شیطنت اور طاغوتیت کا ایک اعلان تھا جس کو یاد کر کے آئندہ نسلیں بھی قاتل پر نفرین اور مقتول سے ہمدردی کرتی رہیں گی۔ دیندار مشکورؒ پر جب پہلا تازیانہ پڑا تو کہا بسم اللہ اور جب دوسرا تازیانہ لگا تو دعا کی کہ میرے معبود مجھے

طاقتِ صبر دے۔ تیسرے تازیانہ پر شکوہ کیا کہ خدایا مجھے فرزندِ رسولؐ کی محبت میں قتل کرتے ہیں۔ چوتھے تازیانہ پر کہا کہ خداوندا مجھے پیغمبرؐ اور ان کے فرزندوں کی خدمت میں پہنچا۔ یہ کہہ کر خاموش ہوئے اور ۵۰۰ تازیانے کھاتے رہے مگر اُف نہ کی۔ جب سزا ختم ہو چکی تو مشکورؒ نے پانی مانگا۔ ابن زیادؒ نے کہا پانی نہ دینا۔ ہم پیاسا قتل کریں گے۔ عمر بن حارث نے سفارش کرکے قتل سے بچایا اور یہ ارادہ ظاہر کیا کہ میں علاج کرکے اچھا کر لوں گا لیکن مشکورؒ کو غش آچکا تھا۔ جب غش سے چونکے تو اتنا کہا کہ میں اب کوثر کے پانی سے سیراب ہونگا۔ یہ کہہ کر دم نکل گیا۔ آفریں اس ہمتِ مردانہ پر کہ خود قربان ہو گئے مگر اولادِ رسولؐ کو قید سے رہا کر دیا۔

فرزندانِ مسلمؑ کی سراغرسانی

جذبۂ انتقام میں مشکور کو قتل کرنے کے ساتھ ہی بچوں کی سراغرسانی کی کوشش بھی شروع ہو چکی تھی اور ایسے بے دست و پا مظلوموں کا ڈھونڈ لینا کچھ زیادہ دشوار بھی نہ تھا۔ یہ معلوم ہے کہ آلِ رسولؐ کے لیۓ دنیا امتحان گاہ کی حیثیت رکھتی ہے اور جب امتحان شروع ہو چکا ہو تو تعاون بھی ان کے لیۓ سمِ قاتل ثابت ہوگا۔ قید سے نکلے اور گرفتار بلا ہوئے۔ پہلی رات تو خیریت سے گذری دوسری شب آئی تو ایک عورت کے دروازہ پر پہنچے اور بھولے پن سے بغیر اطمینان حاصل کیۓ ہوئے ایک ضعیفہ سے اس طرح بات چیت شروع کی۔

فرزندانِ مسلمؑ:۔ اے ضعیفہ ہم پردیسی ہیں اور راستہ بھی نہیں جانتے ہیں کہ صرف آج کی رات تیرے مہمان ہو جائیں۔ جب دن چڑھے گا تو چلے جائیں گے۔

عورت:۔ اے پیارو تم کون ہو تمہارے جسموں سے تو ایسی خوشبو آتی ہے[1] کہ

---

[1] بچوں نے دورانِ اسیری میں پانی کی کمی کا شکوہ کیا ہے۔ عقل بتاتی ہے کہ ان کو نہانے دھونے کیلیۓ بھی پانی نہیں ملتا تھا مگر یہ محیر العقول خاندانی عزت تھی کہ باایں ہمہ جسموں سے خوشبو آرہی تھی دنیا اس خصوصیت پر غور کرے اور اسلام کی حقیقت کی گواہ ہو۔

میں نے کبھی نہیں دیکھی۔

فرزندانِ مسلمؑ:۔ اے بڑھیا ہم تیرے نبی کے گھرانے سے ہیں۔ ابنِ زیاد[لعنہ] کے خوف سے قید خانہ سے نکل آئے ہیں۔

عورت:۔ اے پیارو۔ میرا داماد[1] نہایت کینہ پرور فاسق و فاجر ہے جو واقعہ کربلا اور ابنِ زیاد[لعنہ] کی سپاہ میں شریک تھا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تم کو ضرر پہنچائے۔

فرزندانِ مسلمؑ:۔ (کوئی دوسری صورت ان کے سامنے نہ تھی مجبوراً کہا) ہم رات بھر ٹھہرنا چاہتے ہیں صبح کو چلے جائیں گے۔

عورت نے مہمان کیا اور کھانا لانے گئی۔ بچوں نے پھر ایک مرتبہ سیر ہو کر کھانا کھایا اور فرش خواب پر آرام کرنے کے لئے آئے۔ چھوٹے صاحبزادے نے بڑے صاحبزادے سے کہا (کیوں بھائی) ہم امید کرتے ہیں کہ یہ رات تو چین سے گذرے گی۔ جدائی سے پہلے بھائی نے بھائی سے معانقہ کیا اور گلے میں بانہیں ڈال کر سو رہے۔ رات کا ایک حصہ گذرنے کے بعد حارث[لعنہ] آیا اور آہستہ سے کنڈی کھٹکھٹائی۔ ضعیفہ نے چاہا کہ دروازہ نہ کھولے۔ اجنبی بن کر پوچھا۔ کون ہے؟ اس نے نام بتایا۔

عورت:۔ ناوقت آنے کا کیا سبب ہے، یہ تو آنے کا وقت نہیں ہے۔

حارث[لعنہ]:۔ وائے ہو تجھ پر دروازہ تو کھول تعب سے میرا برا حال ہے۔

عورت:۔ آخر تجھے کیا ہو گیا ہے۔

حارث[لعنہ]:۔ دو بچے قید خانہ سے چلے گئے ہیں اور امیر نے حکم دیا ہے جو ان میں ایک کا سر لائے گا اس کو ہزار درہم اور جو دونوں کا سر لائیگا اسے دو ہزار درہم ملیں گے۔ میں ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گیا ہوں۔

---

[1] شہرت یہ ہے کہ حارث[لعنہ] نامی اس عورت کا شوہر تھا جس کے ظلم سے اس کو اندیشہ تھا۔ ۲: ناسخ التواریخ اور ایک قول ہے کہ فرزند تھا۔

عورت: روزِ قیامت پیغمبرؐ خداؐ کے برسرِ خصومت ہونے سے ڈر۔
حارث لعنہ: مجھے پرواہ ہو پھر دنیا کیونکر ملے گی۔
عورت: دنیا لے کر کیا کرے گا۔ جب آخرت نہ ہو۔
حارث لعنہ: میں دیکھتا ہوں کہ تو ان کی حمایت کرتی ہے اٹھ اور ابن زیاد لعنہ کے پاس چل۔

عورت: میرے ساتھ اس بڑھاپے میں کیا سلوک کرے گا۔ یہ گفتگو دروازہ کھولنے سے پہلے ہوئی اور ضعیفہ نے در پردہ میزبانی کے حق کو ادا کر دیا۔ آخرکار وہ بپھر کر بولا کہ دروازہ کھول تاکہ میں آرام کروں اور صبح کو ڈھونڈنے نکلوں مجبوراً دروازہ کھولا اور سامنے کھانا رکھا۔ وہ ظالم دستر خوان سے اٹھ کر بستر پر آیا۔ کچھ دیر کے بعد بچوں کی صدائے تنفس سُنی تو دیوانہ وار بستر سے اُٹھا۔ اُدھر شاہزادوں[1] نے ایک مایوس کن خواب دیکھ کر گفتگو شروع کی۔ محمدؑ نے ابراہیمؑ کو جگایا اور کہا میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ جناب رسالت مآبؐ اور علی مرتضیٰؑ اور سیدۂ عالمؑ اور حسنین علیہم السلام بہشت میں ٹہل رہے تھے اور دور سے ہمیں اور آپ کو دیکھ کر بابا کی طرف رُخ کر کے فرماتے ہیں کہ مسلمؑ! تم نے کیوں اپنے بچوں کو دشمنوں میں چھوڑ دیا۔ بابا نے جواب دیا کہ یہ عنقریب حاضر خدمت ہوتے ہیں اور صبح کو میرے پاس ہوں گے۔

ابراہیمؑ نے کہا میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے۔ پردیس میں موت کی خبر نے رُلا دیا اور صدائے گریہ پر حارث لعنہ اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا قریب آیا۔ چھوٹے شہزادے پر ہاتھ پڑا۔ بچے نے پوچھا تم کون ہو تو جواب دیا کہ گھر کا مالک۔ یہ ڈراؤنی صدا سُن کر بھائی نے بھائی سے کہا جس بات کا دھڑکا تھا۔ اس کا سامنا ہو گیا۔ حارث لعنہ نے گفتگو شروع کی۔

حارث: تم کون ہو؟

---

[1] ناسخ التواریخ

یتیمانِ مسلمؑ:- اگر سچ کہہ دیں تو امان دے گا ـــ؟

حارثؔ لعین:- ہاں

یتیمانِ مسلمؑ:- ہم تیرے نبیؐ کی ذریت مسلمؑ کے فرزند ہیں۔

حارث لعین:- مرنے کے ڈر سے نکلے تھے۔ آخر موت سے دوچار ہو گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھ کو تم پر فتحیاب کیا۔

یہ کہہ کر بازوؤں میں رسن باندھی۔ میزبان عورت کبھی اس کے آگے ہاتھ جوڑتی تھی اور کبھی قدموں پر گرتی تھی۔ ظالم نے ایک نہ سُنی اور بچے رات بھر رسّی میں بندھے ہوئے کھڑے رہے۔ جب سپیدۂ سحر نمودار ہوا تو اپنے سیاہ فام غلام کو جس کا نام فلیح تھا بلا کر کہا۔ ان بچوں کو فرات کے کنارے لیجا کر قتل کر اور مجھے سر دے تاکہ میں دو ہزار درہم امیر سے حاصل کروں۔

دسویں قربانی

غلام نے تلوار اٹھائی اور بچوں کو قتل کے لیئے لے چلا۔ عورت نے پھر منتیں کرنا شروع کیں اور حارث لعین سے لپٹ گئی۔ اس نے غصّہ میں آکر تلوار سے حملہ کیا اور مومنہ زخمی ہو گئی۔ اس کے بیٹے نے عورت کو بچانا چاہا حارث لعین نے اس کو قتل کر دیا۔ غلام یتیموں کو لیئے ہوئے چلا۔ تھوڑی راہ طے کی تھی کہ بچوں نے کہا اے غلام تیرے چہرے کی سیاہی بلالؓ موذنِ رسولؐ کے چہرے سے کتنی ملتی ہوئی ہے۔ غلام نے کہا بچو تم کون ہو جو میرے آقا نے تمہارے قتل کا حکم دیا ہے؟ کہا ہم تیرے نبیؐ کی عترت ہیں۔ زندانِ کوفہ سے قتل کے ڈر میں نکل کھڑے ہوئے اور اس ضعیفہ نے ہماری میزبانی کی لیکن آقا تیرا ہمیں قتل کیئے دیتا ہے۔ غلام قدموں پر گر پڑا اور پیروں پر بوسہ دیا اور کہا میری جان تم پر فدا ہو خدا کی قسم بروز قیامت میں پیغمبرؐ کو اپنا مخالف بنانے پر تیار نہیں ہوں۔ یہ کہہ کر تلوار ہاتھ سے پھینک دی اور وہ فرات میں اُتر کر پیرتا ہوا پار نکل گیا۔[1] حارث لعین نے کہا اے غلام (یاد رکھنا)

---

[1] بعض مقاتل میں ہے کہ غلام باوفا بھی حارث لعین کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

تونے میری نافرمانی کی۔ غلام نے کہا اطاعت کا تعلق اسی وقت تک ہے جب تک اطاعت الٰہی سے تصادم نہ ہو۔ حارثؔ نے جھنجلا کر دوسرے بیٹے کو آواز دی اور کہا اب تو ان دونوں کو لے جاکر قتل کر۔ بیٹا اس شقی کا آگے بڑھا اور بچوں کی حسرت آمیز گفتگو نے اس کو بھی تلوار پھینکنے پر مجبور کیا اور غلام کی طرح وہ بھی فرات سے عبور کر گیا۔ حارثؔ نے طیش میں آکر کہا میرے سوا کوئی تمہیں قتل نہ کرے گا۔ یہ کہہ کر تلوار اٹھائی۔ بچے برہنہ شمشیر دیکھ کر سہم گئے۔

یتیمانِ مسلمؑ:۔ (آنسو بھر کر) اے شیخ ہم کو بازار میں لے جاکر بیچ لے اور پیغمبر کو بروز قیامت اپنا دشمن نہ بنا۔

حارثؔ:۔ نہیں نہیں۔ میں تم دونوں کو قتل کروں گا اور تمہارے سر ابن زیاد کو تحفہ دوں گا۔

یتیمانِ مسلمؑ:۔ ہم کو جو قرابت رسولِ خداؐ سے ہے اس کی بھی رعایت نہ کریگا؟

حارثؔ:۔ تم کو رسولؐ سے کوئی قرابت نہیں ہے۔

یتیمانِ مسلمؑ:۔ ہم کو زندہ ابن زیاد کے پاس لے چل تاکہ وہ ہمارے بارے میں فیصلہ کرے۔

حارثؔ:۔ میں تمہارا خون بہا کر تقرب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

یتیمانِ مسلمؑ:۔ کیا ہماری کم سنی پر بھی رحم نہیں آتا؟

حارثؔ:۔ تمہاری طرف سے میرے دل میں بالکل رحم نہیں ہے۔

یتیمانِ مسلمؑ:۔ اگر قتل ہی کرنا ہے تو اتنی مہلت دے کہ دو دو رکعت نماز پڑھ لیں۔

حارثؔ:۔ اگر تم کو نماز کچھ فائدہ دے تو پڑھ سکتے ہو۔

بچوں نے نماز پڑھ کے ہاتھ اٹھائے اور کہا "یا حیؔ یا حکیم یا احکم الحاکمین احکم بینا و بینہ بالحق" اے احکم الحاکمین ہمارے اور قاتل کے

درمیان توفیصلہ کر۔ یہ دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ اس نے بڑے بھائی پر حملہ کیا، سر کاٹ ڈالا۔ چھوٹا بھائی بڑے بھائی کے خون میں لوٹنے لگا اور زبان پر یہ حسرت آمیز کلمات تھے "یوں ہی بھائی کا خون منہ پر مل کر رسول خدا سے ملاقات کروں گا۔" حارث[لع] نے جواب دیا۔ کہ میں ابھی بھائی سے ملاتا ہوں۔ یہ کہہ کر چھوٹے بچہ کا بھی سر کاٹ لیا اور لاشیں دریا میں ڈال دیں۔ خون آلودہ سر لیئے ہوئے ابن زیاد[لع] کے پاس روانہ ہوا۔

ستم ایجاد کے دربار میں اس سے پہلے سر حسین آ چکا۔ اہل بیت رسولؐ کو غل و زنجیر میں مقید دیکھنا اس کے نزدیک کوئی نئی بات نہیں ہے۔ عبداللہ بن عفیف رح ایسے بوڑھے اور نابینا کا قتل بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ کوفہ کی عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد سے آج پہلا دن ہے کہ اس بدبخت کو رحم آتا ہے۔ تختِ حکومت پر کروفر سے بیٹھا تھا کہ دفعتہً حارث[لع] کٹے ہوئے سر لیئے پہنچا۔ دونوں سروں کو پانی سے دھو کر[۱] اس کے سامنے ڈال دیا۔ ابن زیاد[لع] ان بھولی بھالی صورتوں کو دیکھتے ہی اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ اور غصہ میں حارث[لع] سے خطاب کیا۔

ابن زیاد[لع]:۔ تجھ پر وائے ہو ان بچوں پر کیونکر قابو پایا؟

حارث[لع]:۔ یہ ضعیفہ کے مہمان تھے۔

ابن زیاد[لع]:۔ مہمان کی بھی رعایت نہ کی؟

حارث[لع]:۔ نہیں!

ابن زیاد[لع]:۔ (وقت آخر) ان بچوں نے کچھ کہا تھا؟

حارث[لع]:۔ (ہاں) یہ کہا تھا کہ ہم کو بازار میں لے جا کر بیچ ڈال اور ہماری قیمت سے فائدہ اٹھا، رسولؐ کو اپنا دشمن نہ بنا۔

ابن زیاد[لع]:۔ پھر تو نے کیا کہا؟

حارث[لع]:۔ میں نے کہا کہ تجھے تو تمہارے سر لے جا کر امیر سے دو ہزار درہم لینا ہیں۔

---

[۱] ناسخ التواریخ

ابن زیاد لعین:۔ پھر کیا ہوا ؟

حارث لعین:۔ پھر کہا کہ ہم کو زندہ ابن زیاد کے پاس لے چل۔

ابن زیاد لعین:۔ تو نے کیا جواب دیا ؟

حارث لعین:۔ میں نے کہا کہ مجھے تو تمہارے خون بہا کا تقرب حاصل کرنا ہے۔

ابن زیاد لعین:۔ اگر تو ان کو زندہ لے آتا تو دونے انعام کا مستحق تھا اور میں تجھے چار ہزار درہم دیتا۔

حارث لعین:۔ بچوں نے پھر یہ بھی کہا کہ پیغمبر سے ہماری قرابت کا لحاظ کر۔

ابن زیاد لعین:۔ اس کا کیا جواب دیا ؟

حارث لعین: میں نے کہا تم کو رسولؐ سے کوئی قرابت نہیں۔

ابن زیاد لعین: وائے ہو تجھ پر، پھر کیا کہا ؟

حارث لعین: پھر یہ کہا ہمارے بچپنے پر رحم کر۔

ابن زیاد لعین: اس کا کیا جواب دیا ؟

حارث لعین:۔ میں نے کہا میرے دل میں تمہاری طرف سے رحم چھو نہیں گیا ہے۔

ابن زیاد لعین:۔ کچھ اور کہا تھا ؟

حارث لعین:۔ (ہاں یہ بھی) کہا کہ ہم کو دو رکعت نماز پڑھ لینے دے۔ میں نے کہا کہ اگر تم کو نماز کچھ فائدہ دے تو پڑھ لو۔ انہوں نے دو دو رکعت نماز پڑھی۔

ابن زیاد لعین:۔ نماز پڑھ کے کیا کہا ؟

حارث لعین:۔ ہاتھ اٹھا کے دعا کی اور کہا یا حی یا حکیم یا احکم الحاکمین احکم بیننا و بینہ بالحق۔

ابن زیاد لعین:۔ احکم الحاکمین نے تیرے لیے جو فیصلہ کیا ہے اسے دیکھ۔ یہ کہتے پایا تھا کہ (اشارہ پاکر) ایک شامی اٹھا۔ ابن زیاد لعین نے کہا۔ اسے اسی مقام پر لے جا کر قتل کرو جہاں بچے ذبح کیئے گئے ہیں۔ تاریخ میں ہے کہ اس شامی کا نام مقاتل اور دل سے اہل بیت حسینؑ سے محبت رکھتا تھا۔ ابن زیاد لعین کو ایسا فہمیدہ آدمی ملتا نہ اس لیئے

وہ اس کے جدا کرنے پر تیار نہ ہوا۔ مقاتل نے ابن زیادؓ سے کہا کہ امیر اجازت دے کہ میں جس طرح چاہوں اس شقی کو قتل کروں۔ غرض ہاتھ حارثؑ کے گردن سے باندھے گئے اور اس کو سر برہنہ بازار کوفہ سے کشاں کشاں کھینچتے ہوئے فرات کے کنارے پر لائے۔ راستہ میں نقیب حارثؑ کا تعارف کرا رہا تھا اور جدھر سے گذرتے تھے لوگ لعنت بھیجتے تھے۔ حارثؑ کو جب یقین ہوگیا کہ میری جان نہ بچے گی تو مقاتل سے کہا کہ دس ہزار اشرفیاں لے کر میری جان بچا لے۔ مقاتل نے کہا اگر ساری دنیا تیری ملکیت ہو جائے اور تو وہ مجھ کو دیدے تو اس وقت بھی جان نہ چھوڑوں گا۔ مجھے تیری جان کے عوض میں بہشت میں جگہ لینا ہے۔

باتیں ختم ہوئیں اور قتل گاہ پہنچ کر یہ دلخراش منظر دیکھا کہ ادھر عورت زخم کی اذیت سے تڑپ رہی ہے ادھر دوسرا لڑکا جس نے عورت کو بچانا چاہا تھا ذبح کیا پڑا ہے۔ بے گناہ بچوں کا خونِ ناحق دیکھ کر مقاتل کی نظروں میں دنیا اندھیر ہوگئی اور اپنے غلام کو حکم دیا کہ حارثؑ کے ہاتھ پاؤں قطع کرے۔ پھر آنکھیں کانے سر سے نکال کر ذبح کر دے اور دونوں کان کاٹ کے قطع شدہ اعضاء شکم چاک کر کے اس میں رکھ دے اور پتھر باندھ کر دریا میں بہا دے۔ تین مرتبہ اس لاش کو پانی میں بہانا چاہا مگر دریا نے قبول نہ کیا اور لاش ساحل پر پھینک دی۔ اسی طرح تین مرتبہ کنوئیں میں ڈالا اور خس و خاشاک سے چاہ کو بند کر دیا مگر زمین نے بھی لاش پھینکدی۔ اس وقت جسم کو نذرِ آتش کر دیا اور راکھ کو ہوا میں منتشر کر دیا۔

اس کے بعد یتیمانِ مسلمؑ کے دونوں سر بریدہ دریا میں تیراتے کا ارادہ کیا تھا کہ لاشیں ابھر کر سطحِ آب پر آئیں اور سروں سے ملحق ہو کر تہ نشین ہو گئیں۔ بنا بریں شہزادوں کی قبر کا وجود نہیں ہے۔ جس مقام پر حارثؑ نے بے گناہ بچوں کو ذبح کیا تھا وہاں دو قبے بطور یادگار بنا دیئے گئے ہیں۔

باب المراثی

میاں دلگیر

روئے حارث لعیں دیکھتے تھے اس طرح مسلمؑ کے لال صید وقت ذبح دیکھے جیسے منہ صیاد کا

ضمیر

دو یتیموں کے سر اک ضرب میں کاٹے ہے غضب سخت تھا کیا ہی کلیجہ حارث لعیں ناپاک کا

دبیر

مسلمؑ شب تاریک میں مغموم و حزیں تھے پردیس میں فرزند کہیں آپ کہیں تھے

انیس

چلاتے تھے مسلمؑ کے پسر قتل نہ کر مظلوم ہیں اور بے پدر قتل نہ کر

عشق

رہا ایک پر ایک دل سے فدا نہ شب کو جدا تھے نہ دن کو جدا
محبت کی بس ہو گئی انتہا رہے ساتھ فرزندِ مسلمؑ سدا
تو لاشے بھی دریا میں باہم رہے

فصاحت

شب کو زنداں سے نکل آئے جو مسلمؑ کے یتیم ہائے دونوں کو پھرایا گردش تقدیر نے

شمس

بے جرم کے مارا بچوں کو دریا کی روانی شاہد ہے بے آب تھا خنجر حارث لعیں کا بہتا ہوا پانی شاہد ہے

خنجر

بھولے گی نہ دنیا کبھی حارث لعیں کے مظالم مسلمؑ کے جگر بندوں کا افسانہ رہے گا

عیش بہاروی

اٹھائی تھی نہ تیغ ظلم اے حارث لعیں یتیموں پر کہ جن کی بیکسی پر موت کو خود پیار آتا تھا

یکتا امروہوی

ہزار منتیں حارث لعیں سے کیں یتیموں نے کسی طرح مگر اس کو نہ ان پہ رحم آیا

ساتواں باب

خاتمۂ کلام

روضہ مسجد کوفہ کی بائیں سمت قبلہ کی طرف ضریح مبارک حضرت مسلمؑ واقع ہے جس پر کاشانی قبہ بنا ہوا ہے اور پائین یا دوسرے رُخ پر روضۂ ہانیؒ ہے۔ دروازۂ رواق پر قرآن مجید کی آیت "فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ" تحریر ہے اور یہ دو جگر خراش شعر لکھے ہوئے ہیں۔

زدیدہ روانست ہمچو دجلہ و نیل | کہ اہلِ کوفہ بکشتند مسلم ابن عقیل
فغان آہ کہ مسلم بکوفہ گشت شہید | بحکم زادہ مرجانہ آں لعین پلید

ضریح نقرئی ہے جس پر سوزنکار شامیانہ نصب ہے اندرون حجرہ آئینہ بندی ہے دروازہ حجرہ کا چوبی ہے۔ حضرت ہانیؒ کی ضریح پیتل کی ہے دونوں مزاروں پر زیارت کی تختی معلق ہے۔ یہ روضہ مسجد کوفہ سے اس قدر قریب ہے کہ اشتباہ ہوتا ہے مبادا جزوِ مسجد نہ ہوں۔ سید طباطبائی علیہ الرحمہ نے اپنے فتوے سے اس حصّہ کے جزوِ مسجد ہونے کی نفی کی ہے۔ عروۃ الوثقیٰ ص۵۴

کرامات یہ روضہ بھی زیارت گاہِ خلق ہے اور ضریح سے خوارق عادات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ زائروں کی مرادیں پوری ہوتی ہیں اور بسا اوقات وہ پیچیدہ مقدمے جن کا فیصلہ کرنے سے حکومت عاجز ہوتی ہے حضرت مسلمؑ سے تمسک کے بعد طے ہو جاتے ہیں۔ میں نے عراق کی ثقات سے سُنا ہے کہ عربوں نے اپنی مشکلات حل کرنے کے لیئے یہ تقسیم عمل کی ہے کہ بغداد کے لوگ روضہ حضرت سیّد محمد پر اور کربلا کے روضہ ابی الفضلؑ پر اور کوفہ کے روضۂ مسلمؑ پر داد رسی کے لیئے حاضر ہوتے ہیں۔

(۱) میرے دوست اور قوم شیعہ کے محسن اعظم نواب حسین علی خان صاحب دام اقبالہ، نے بیان کیا ہے کہ ۱۹۲۷ء میں ہم نے سفر عراق کیا اور ذی الحجہ میں عتبات عالیات پہنچ گئے۔ ہمارے کوفہ پہنچنے کے چند ہی روز پہلے روضہ حضرت مسلم ؑ سے یہ معجزہ ظاہر ہوا تھا کہ ایک عورت مسجد کوفہ کے نزدیک غسل کر رہی تھی۔ اس پر کسی سپاہی کی نظر پڑ گئی اور بارادۂ بد آگے بڑھا۔ عورت نے اپنی عصمت بچانے کے لیئے روضۂ حضرت مسلم ؑ میں پناہ لی اور حضرت سے فریاد کی اُدھر وہ عسکر عدو در روضہ میں داخل ہوا اور بقدرتِ خدا عورت ہو گیا۔

(نوٹ) مرد کا عورت ہو جانا ناممکن بات نہیں ہے۔ ستمبر ۱۹۳۲ء میں اخبارات میں یہ خبر آئی تھی کہ خالصہ کالج امرتسر کا ایک طالب علم عورت ہو گیا اور میو ہسپتال لاہور میں لایا گیا۔

(۲) ایک شیخ اور سیّد میں اختلاف شدید ہو گیا اور نوبت مقدمہ بازی تک پہنچی۔ عدالتِ عالیہ میں پہنچ کر یہ طے پایا کہ حضرت مسلم ؑ کو حکم قرار دیدیا جائے فریقین کے وکیل مع اپنے ثبوت کے پہنچے۔ کاغذات ضریح مبارک کے سامنے پڑھ کر سنائے گئے اور حکم صادر ہونے کا انتظار شروع کیا۔ دیر گزر گئی اور کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ فریقین کسی قدر مایوس ہو کر روضہ سے چلے۔ شیخ نے ایک قدم روضہ کے باہر نکالا تھا اور ایک اندر تھا کہ دفعتاً اس کا شکم چاک ہو گیا۔ سیّد کی حقیت کا یقین ہوا۔ ایسی ہی بکثرت کرامات ہیں جن کو یکجا کرنے سے پوری کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔

نقل روضہ لکھنؤ کو یہ شرف حاصل ہے کہ شہر کے طول و عرض میں تمام مشاہد مقدسہ کی نقلیں موجود ہیں فرزندانِ حضرت مسلم ؑ کے مزار کی شبیہہ بنوانے کا فخر منشی فضل حسین خاں مرحوم کو حاصل ہے جنہوں نے اپنے دور میں اس عمارت کی بنیاد قائم کی۔ یہ متبرک جگہ لکھنؤ میں منشی فضل حسین صاحب کی کربلا کے نام سے مشہور ہے۔ وکٹوریہ گنج کے شاہی

ہسپتال سے جو راستہ کربلائے تالکٹورہ جاتا ہے وہاں سے تھوڑے فاصلہ پر داہنی جانب یہ روضہ موجود ہے جس میں دروازہ سے داخل ہوتے ہی روبرو ایک پختہ مسجد ہے اور بائیں سمت بیتیاں مسلمؑ کے دو سربلند گنبد ہیں - اس عمارت کے رقبہ میں مومنین کی قبریں ہیں۔ ایام عزا میں مقامی اہل ایمان خصوصیت سے زیارت کو جاتے ہیں اور لوگوں کی مرادیں پوری ہوتی ہیں ۔

تابوت

اس میں کیا شک ہے کہ عزا داری مذہب شیعہ کی بقا کا ذریعہ ہے اور ہندوستان میں دینِ جعفری کی تاسیس کے ساتھ عزائے حسینؑ نے بھی رفتہ رفتہ ترقی کی۔ شاہان اودھ نے اپنی مذہب نوازحکومت میں تعزیہ داری کو معراجِ کمال پر پہنچایا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ عہدِ شاہی میں حضرت مسلمؑ کا تابوت کس شان وشوکت کے ساتھ اٹھتا تھا۔ میرے خیال میں دورِ حاضر میں سب سے پہلے لکھنؤ کے ایک غریب عزادار مرزا محمد عسکری صاحب کتاب خوان مرحوم نے آج سے ۴۰ سال قبل غسلخانہ پاٹا نالہ لکھنؤ سے تابوتِ حضرت مسلمؑ اٹھانا شروع کیا جو ۹ ذی الحجہ کو عصر کے وقت برابر اٹھتا ہے شہر کے دیگر حلقوں میں بھی اب مجلس وتابوت کثرت سے اُٹھتے ہیں اور روز بروز اس غم آفریں تاریخ کی رونق بڑھتی جاتی ہے۔ اہل ایمان کا فرض ہے کہ اگران کے دل میں حسینی محبت ہے اور وہ ایام عزاداری میں اپنا سرمایہ صرف کررہے ہیں تو پہلے ان کو حضرت مسلمؑ کی عزا پر توجہ مبذول کرنا چاہیئے۔ امام حسینؑ مصیبتوں کا شہر ہیں تو مسلمؑ دروازہ ۔

اختتامی تبصرہ اور حضرت مسلمؑ کی تعلیمات

اس ساری بحث کا نتیجہ کیا ہے اور گذشتہ قلم فرسائی سے قوم کو کیا سبق ملتا ہے۔ یہ باب طویل ہے۔ مختصر طور پر پہلے حضرت کی شخصیت میں چند اہم خصوصیات اور ذاتی کمالات کا یقین رکھنا چاہیئے۔ پھر ان کو انسانِ کامل مان لینے کے بعد کہاں تک ان کی تعلیمات پر عمل نہ ہوگا۔ یہ مقصد دو نمبروں میں بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) اے مسلم بن عقیلؑ آپ نے پردیس میں حق کی حمایت کرتے ہوئے جان دے کر بتایا کہ مجھ میں امامت کے سوا کسی کمال کی کمی نہیں ہے۔ ہم نے چاہا تھا کہ امامت کی جگہ عصمت کا لفظ قلم سے نکلے مگر آپ سے منافیٔ عصمت کوئی فعل نہیں دیکھا، اس لیے اس لفظ سے ذات کا تعارف نہ ہوتا۔ ان میں اوصاف انبیاءؑ کی جھلک تھی وہ امتحان میں مرسلینؑ کے دوش بدوش تھے۔ ان کی مشکلات صحابہ اور تابعین کی مشکلات سے سخت تھیں۔ آدمؑ فراقِ جنت میں مبتلا وہ مسلمؑ سردار جوانانِ جنت کی فرقت میں بیقرار، ان کی جنتِ فردوس حسینیت تھی جس سے وقتی طور پر علیحدہ کردیئے گئے تھے۔ نوحؑ کا بیڑا طوفان عذاب سے پار ہوا مسلمؑ نے حسینیت کی کشتی کو گردابِ فنا سے نکالا، ادریسؑ آسمان پر بلند ہوئے مسلمؑ کو سماء شہادت پر رفعت ہوئی۔ صالحؑ کا ناقہ پے ہوا، ان کے بچے ذبح ہوئے۔ یعقوبؑ نے بیت المقدس کی خدمت کی، مسلمؑ نے مسجد کوفہ کو بسایا جو بیت المقدس سے کم نہیں۔ وہ فراقِ فرزند میں آٹھ آٹھ آنسو روئے مسلمؑ بچوں کی جدائی میں صبر کرتے رہے۔ یوسفؑ کنویں میں گرائے گئے، مسلمؑ کی راہ میں خس پوش کنواں ان کی جنگ ختم ہونے کا سبب ہوا۔ ابراہیمؑ آگ میں ڈالے گئے، مسلمؑ پر کوفے کے کوٹھوں سے آگ برسائی گئی۔ اسمٰعیلؑ کا لقب مجازاً ذبیح ہے مگر مسلمؑ حقیقتاً ذبیح ہیں۔ اسمٰعیلؑ صادق الوعد نے وعدے کی سچائی سے بے پناہ عزت حاصل کی تو مسلمؑ نے بھی جان دے کر حسینؑ سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا۔ خضرؑ نے دیوار اٹھائی، مسلمؑ نے اسلامی جدار میں قوت پہنچائی۔ انہوں نے سفینہ کو عیب دار کردیا، مسلمؑ نے سفینۂ مذہب کو بے عیب بنایا وہ آبِ حیات سے سیراب ہوئے اور ان کو مرتے وقت بھی پانی نہ دیا گیا۔ انہوں نے حیاتِ مذہب پر اپنی جان نثار کی وہ موسیٰ بن عمرانؑ کے بھی مثیل تھے حضرت موسیٰؑ فرعون کے سامنے آئے اور مسلمؑ ابن زیادؑ کے روبرو۔ فرعونؑ ولدالزنا ہوتا تو موسیٰؑ کو قتل کرتا مگر فرعونِ کوفہؑ ولدالحرام تھا۔ اگر موسیٰؑ نے سفر کی سختی کا شکوہ کیا "لقد لقینا من سفرنا ھذا نصبا" تو مسلمؑ نے بھی سفر کی ابتدائی منزل کا

گلہ کیا۔ مسلمؑ میں ہارونیت بھی موجود تھی' بھائی کا ساتھ دینے میں حضرت ہارونؑ سے کسی قدر آگے رہے وہ دانیالؑ کے ایسے خوش بخت نہ تھے کہ درندے ان کی پرورش کرتے۔ ان کا امتحان ایسا سخت تھا کہ میزبان انسانوں نے حیوانیت کا مظاہرہ کیا۔ یونسؑ نے قوم سے گریز کیا مگر مسلمؑ کو فرار کی نوبت ہرگز نہیں آئی۔ وہ عالم بحر بحری تاریکی میں یہ دریائے غم میں۔ سلیمانؑ نے بنی جان پر وقتی حکومت کی اور مسلمؑ کا ماتم انسان اور جن ہر طبقہ میں آج تک ہے۔ زکریاؑ کی عبادت مشہور ہے تو مسلمؑ کی دوامی عبادت دنیا بھول نہیں سکتی۔ یحییٰؑ کا زہد اور مسلمؑ کا تقویٰ معصوم اور غیر معصوم ہونے سے مساوی نہ ہو تو سر کٹنے میں تو دونوں مظلوم ایک منزل پر ہیں۔ عیسیٰ بن مریمؑ دار پر چڑھانے سے محفوظ رہے مگر مسلمؑ کو سولی دی گئی۔ پیغمبر آخر الزماںؐ کے دندانِ مبارک پر ضرب شدید آئی تو مسلمؑ کے بھی دانت تلوار کی ضرب سے توڑ دیے گئے۔ اپنے ہاتھ سے یداللہ نے خیبر کا در اکھاڑا اور مسلمؑ نے ٹھوکر سے طوعہؒ کا دروازہ توڑ کر گرادیا۔ یقیناً آپ سلف صالحین کی یادگار تھے۔ کربلا والوں کی شب آخر عبادت اور مسلمؑ کا رات بھر خانۂ طوعہؒ میں مجوطاعت رہنا بھولتا نہیں۔ انصارِ حسینؑ پیاسے تھے تو مقدر نے ان کو بھی تشنہ و گرسنہ رکھا وہاں جو کار نمایاں بہتّر نے مل کر کیا تھا وہ یہاں تن تنہا نے کیا۔ تاریخ بتا چکی کہ مسلمؑ عصر کے وقت تک لڑے جس طرح امامؑ کی جنگ وقت عصر ختم ہوئی مسلمؑ نے بھی عصر کے وقت ہاتھ روکا' ان کی شہادت نشیب میں اور ان کو بھی گڑھے میں گرایا۔ اگر اس دلدوز حادثہ کے بعد شہادتِ حسینؑ نہ ہوتی تو دنیا کبھی ایسی محیر العقول جنگ کو فراموش نہ کرتی۔ واقعہ کربلا نے اہمیت کو دبا دیا دنیا کوفہ کو بے وفا کہے مگر یہ کوفہ ہی کے وفا شعار شیعہ تھے جنہوں نے امام مسجد کوفہ کی باری باری حفاظت کی ورنہ ایک شخص مجبر کی طرح قتل ہو جاتا۔ ہانیؒ نے مسلمؑ کو مہمان کر کے وہ درجہ خدا سے حاصل کیا جو شعیبؑ کو موسیٰؑ کی میزبانی میں ملا۔

تعلیمات

(۲) اگر آپ کے صبر' استقلال' شجاعت' بہادری' ایثار و مواسات سے دنیا سبق لے تو شاہراہِ ترقی تک پہنچ جانا کچھ دشوار نہیں ہے۔

آپ کی زندگی کی بیشمار تعلیمات میں دنیا کو متوجہ کرتے ہیں کہ وہ آپ کا ایسا استقلال پیدا کرے اور جذبات پائمال کرے۔ انسانی نفس کہتا تھا کہ ساتھی کے مر جانے اور ہرن کے پنجۂ صیاد میں دیکھنے کو شگون بد سمجھیں مگر امامؑ کی طرف سے جواب پاتے پر پھر ہمیشہ کے لیئے دل سے خیال کو نکال دیا وہ ایسے شریف النفس تھے کہ دشمن کو قابو میں پاکر میزبان کے گھر میں قتل نہیں کیا وہ مصیبتوں میں پڑنے کو آسان سمجھتے تھے اور دھبہ دامن تک آنے نہیں دیا کہ غیر کے مکان میں کشت و خون ہو۔ ابتدا بجنگ ان کا شیوہ نہ تھا اور خاندانی رویہ ان کو پابند بنا چکا تھا کہ تلوار جب کھینچنا مدافعانہ انداز میں جنگ میں دشمن پر سبقت کسی طرح روا نہیں۔ ان کی زندگی سے جذبہ اطاعت کا تعارف ہوتا تھا وہ ویسے نام نہاد اصحاب میں نہ تھے جن کو مرسلؐ لشکر ترتیب دے کر روانہ کرے اور وہ اس عذر میں کہ رسولؐ کا وقت آخر ہے ہم اس وقت ان کو چھوڑنا نہیں چاہتے کہانہ مانیں جیش اسامہ کا جو انجام ہوا وہی موقع حضرت مسلمؑ کے سامنے تھا ان کے دل میں حسینؑ کی سچی محبت وعظمت تھی مگر وہ محبت پر بقا امامؑ کی اطاعت کو سمجھتے تھے۔ لاکھ دل چاہتا تھا کہ حسینؑ کو نہ چھوڑو مگر نفس کشی کی اور جس امر پر مامور ہوئے تھے اس کو پورا کر دیا انہوں نے واجبات کی بھی اہمیت بتائی ماہ رمضان میں مرکز سے روانہ ہوئے تھے سفر میں روزہ ساقط ہے کوفہ میں قیام کرنے پر پیہم مصائب کا سامنا ہوا لیکن اس عالم مسافرت میں بھی قضا روزے رکھ لیئے۔ اگر مشغول الذمہ ہوتے تو چار سو درہم قرضہ کی ادائیگی کی وصیت کے ساتھ روزے کے بارے میں بدرجۂ اولیٰ وصیت کرتے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ امامؑ کی محبت میں انسان گھر بار چھوڑ دے تو عین سعادت ہے۔

کوفہ کے اہل ایمان نے ایک مسئلہ کو اور حل کیا شہید پر غسل و کفن نہیں ہے ہانیؓ و مسلمؑ کا شہید ہونا ناقابل انکار حقیقت ہے۔ پھر گذشتہ بیان میں یہ کیوں گذرا کہ دونوں لاشوں کو غسل دیا گیا وجہ اس کی یہ ہے کہ لاشوں کو بازار کوفہ میں کھینچنے سے بظاہر خارجی نجاستیں پہنچ گئی تھیں جس کی طہارت اور ازالۂ نجاست کے لئے غسل دیا ہو۔ العالم۔

حضرت مسلمؑ کے پسماندگان

اولادِ نرینہ سے تو یقیناً مسلمؑ کی نسل قطع ہو گئی۔ دو بچےؑ کوفہ میں اور دو کربلا میں شہید ہو گئے۔ اولاد کہاں باقی رہی یہ ممکن ہے کہ رقیہؑ مسلمؑ سے نسل بڑھی ہو۔ مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ہاں جناب عقیلؑ کی نسل بیشک دورِ امام جعفر صادقؑ تک تھی۔ ہشام بن حکم مشہور نوجوان مناظر کی آمد کے موقع پر امام جعفر صادقؑ کے چہرے سے جو خوشی کے آثار ظاہر ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ خدا کے کعبہ کی قسم ہشام (آ رہے ہیں) اس کوشش کرحاضر وقت راوی کا بیان ہے کہ ہمیں گمان ہوا اولادِ عقیلؑ[۱۰] سے ایک شخص ہشام بڑا دوست حضرتؑ کا تھا وہی ہوگا " یہ شخص کس کی اولاد سے تھا " اس کی صراحت نہیں ہے۔

ایسا حادثہ بھی دنیا میں کم ہوا ہوگا کہ مرنے والے کے بعد پسماندگان بھی سفرِ آخرت کر گئے۔ جناب مسلمؑ کے بھائیوں میں جعفرؑ، عبدالرحمٰنؑ، عبداللہؑ، موسیٰؑ، عونؑ، علیؑ کا واقعہ کربلا میں اذنِ جہاد حاصل کرکے لڑنا اور پھر شہید ہونا مقاتل میں موجود ہے اور بھتیجوں میں جعفرؑ، احمدؑ جو آپ کے بھائی محمد بن عقیلؑ کے فرزند تھے اور محمدؑ جو آپ کے دوسرے بھائی سعید بن عقیلؑ کے بیٹے تھے ان کی لڑائی اور شہادت بھی موجود ہے۔ سراقہ باہلی نے آلِ علیؑ کے مرثیہ میں غالباً انہی کی طرف اشارہ کیا ہے " اے آنکھ نالہ و فریاد کے ساتھ ساتھ آنسو بہا اور اگر نوحہ کرنا ہے تو آلِ رسولؐ پر نوحہ کر۔ تو ان میں علیؑ کے صلبیؑ تھے جو قتل ہوئے اور (۹) اولادِ عقیلؑ سے ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی صاحبِ اولاد ہو اور اس کی نسل بڑھ کر دورِ صادقؑ تک پہنچی ہو یا ان کے علاوہ کسی اور بھائی بھتیجہ کی نسل ہو۔ واللہ العلیم۔

---

[۱۰] ارشاد و پیمبر ۱۶۔ [۱۱] ام لقمانؑ اور زینبؑ بھی حضرت عقیلؑ کی بیٹیاں تھیں ممکن ہے ان کی نسل ہو۔

۱۲۔ (جلاء العیون) [۲] تسعۃ منہم لصلب علی قد و ابنیہ او تسعۃ لعقیل۔

مقتولین کی فہرست

اُن شیعہ مقتولین کی فہرست جو شہادتِ مسلمؑ کے سلسلہ میں قبل و بعد قتل ہوئے۔

نمبر شمار	نام مقتولین	مقام قتل	سزائے موت کی وجہ
۱	دارعؒ	بصرہ	امام حسینؑ کا خط بصرہ پہنچانا
۲-۳	محمد بن کثیرؒ مع فرزند	کوفہ	حضرت مسلمؑ کی میزبانی
۴	ہانی بن عروہؒ	کوفہ	حضرت مسلمؑ کی میزبانی
۵	عبدالاعلی بن یزید مکی	کوفہ	نصرتِ حسینؑ کا ارادہ
۶	عمارہ بن صلحبؒ	کوفہ	نصرتِ حسینؑ کا ارادہ
۷	قیس بن مسہرؒ	کوفہ	امامؑ کی نامہ بری
۸	عبداللہ بن یقطرؒ	کوفہ	امامؑ کی نامہ بری
۹	مشکورؒ جیلر کوفہ	کوفہ	یتیمانِ مسلمؑ کو جیل سے رہا کر دینا۔
۱۰	فرزند حارث	کوفہ	میزبان عورت کو شمشیرِ حارث لعین سے بچانا

یہ وہ قربانیاں ہیں جو قتلِ مسلمؑ کے سلسلہ میں ہوئیں۔ کیا شہداءِ کربلاؑ کے ساتھ نذر نیاز کے موقع پر آپ ان سرفروش حضرات کو یاد رکھیں گے اور ان کی پاک روحوں کو اپنے اعمال خیر کا ثواب ہدیہ کریں گے۔ اس پراگندہ فوج کے سپہ سالار حضرت مسلمؑ ہیں وہ اور ان کے دونوں نونہال کوفہ کو اپنی کربلا بنا گئے۔

شہادتِ حضرت مسلمؑ پر علامہ حکیم محمد ممتاز حسین عثمانی المتوفی ۱۹۳۶ء مدیر اودھ پنچ لکھنؤ کے تاثرات

ذیل میں ہم اس فاضلانہ مقالہ کو درج کرکے کتاب ختم کرتے ہیں جو "سرفراز"

محرم نمبر ۱۳۵۵ھ میں شائع ہوا۔ ہم کو ذاتی طور پر علم ہے کہ ادارۂ سرفراز کی تحریک پر یہ مضمون اس طرح مرتب ہوا کہ علامہ حکیم محمد ممتاز حسین عثمانی مرحوم بولتے جاتے تھے اور ادیب عصر شیخ ممتاز حسین صاحب جونپوری لکھتے جاتے تھے۔

مظلوم کربلاؑ کے قافلہ کا ہراول شہادت مسلمؑ میں بیکسی حسینؑ کا عکس ایک عالم علوم مشرقی کے قلم سے

یہ جلیل الشان مجاہد جس نے اپنے خون سے وفاداری اسلام کا باغ سینچا ان یگانہ بہادروں میں سے ایک فرد ہے جس سے امام حسینؑ کا مختصر لشکر مرتب ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ میدان کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ ہوتے تو مثل حضرت عباسؑ لشکر شام پر بلائیں نازل کرتے مگر تقدیر نے تنہا ان کے لیئے قبل از واقعۂ کربلا ایک میدان آراستہ کیا تھا جس کے سر کرنے میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہ تھا۔ واقعات مشہور ہیں اور اس قابل ہیں کہ ان کی تصویر وضاحت سے دکھائی جائے مگر افسوس کہ سلسلہ ان واقعات کا پاشاں ہے کتب انساب میں ان کا ذکر اس قدر ہے کہ یہ حضرت علیؑ کے منجھلے بھائی عقیلؑ کے صاحبزادے تھے اور یہ کہ حضرت عباسؑ بن علیؑ کی حقیقی بہن ان کے حبالۂ عقد میں تھیں اور اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ شہادت مسلمؑ سے حضرت امام حسینؑ پر اپنی بہن کی بیوگی کا یہ پہلا داغ نہایت گراں گزرا۔ مسلمؑ کا ارادہ تھا کہ اس فوج کے سردار بن کر خروج کریں مگر ہانیؒ نے اجازت نہ دی حکمت عملی کی راہ سے مسلمؑ کی رائے صائب تھی یعنی اگر حملہ ہو جاتا تو جوش کی تازگی غالباً کامیابی پر ختم ہوتی اور یہ نوبت بہم نہ پہنچتی کہ مجمع منتشر ہو جاتا اور مسلمؑ یکہ و تنہا رہ جاتے لیکن اس وقت امر حق ایسا منجلی نہ ہوتا جیسا کہ شہادت سے ہوا۔ ہاں ہم کہتے ہیں کہ امر حق وفات پیغمبرؐ کے بعد ہی سے مشتبہ ہوا یعنی بعد وفات پیغمبرؐ حضرت علیؑ نے صبر کیا۔ مسلمؑ لڑتے تو کیا ہوتا وہی جو علیؑ کی لڑائی سے ہوا۔ اچھا ہوا کہ لڑائی

نہ ہوئی ورنہ دشمن یہی کہتے کہ یزیدیوں نے اپنی جان کی حفاظت کی اور یہ جنگ مدافعانہ تھی۔

واقعات اس مضمون کے مناقب ابن شہر آشوب سے ماخوذ ہیں۔ اس کتاب میں مسلمؑ کے ان دو چھوٹے بچوں کا تذکرہ نہیں ہے جو باپ کے ساتھ سے چھوٹ گئے تھے۔ دربدر مارے مارے پھرتے تھے۔ یہاں ہمیں ان دو غریب سیّد زادوں کا حال لکھنا مقصود نہیں ہے۔ مسلمؑ کو دشمن کے گھر میں پناہ ملی مگر یہ جائے پناہ خود ہی ایک جال بن گئی جس میں یہ اجل رسیدہ طائر پھنس گیا۔ طوعہؒ کے بطن سے اسید حضرمی کا ایک لڑکا بلال نامی تھا وہ مسلمؑ کے حال سے واقف ہوگیا اور دربار میں اپنے سوتیلے باپ کو خبر دینے پہنچا۔ ایک دیا سلائی تھی جس نے کینہ اور حسد کے بارود میں آگ لگا دی۔ گروہ گروہ دستہ دستہ جوق جوق فوجیں اس تن تنہا مسافر پر وار کرنے کے لئے طوعہؒ کے گھر پر روانہ ہوئیں جس میں ۱۸۱ آدمی مسلمؑ کے ہاتھوں کھیت رہے اور ۲۹ جان لے کے بھاگے۔ ابن زیادؔ نے دوسری فوج بھیجی یہ بھی خائب وخاسر بھاگی اور اس میں سے ۱۲۱ آدمی مقتول ہوئے۔ بقیۃ السیف نے پھر کمک طلب کی۔ ابن زیادؔ جھلاّ گیا اور کہنے لگا کہ ایک فرد سے اتنی بڑی فوج کا گھونگھٹ کھانا کتنی بڑی شرم کی بات ہے۔ لوگوں نے کہا کسی بنئے بقال کا معاملہ نہیں ہے یہ بیشہ شجاعت مرتضوی کا شیر دلیر ہے۔ اس کے منہ چڑھنا سہل نہیں ہے۔ فوج ٹڈی دل کی صورت میں بھیجی گئی جس کا شمار خدا ہی جانتا ہے ان میں سے تلوار و نیزہ و تیر لے کے حملہ کرنے والے اپنا وار کرتے تھے مگر بس نہ چلتا تھا آخر ڈھیلے پتھر کی نوبت آئی۔ مسلمؑ پشت فرس پر قائم نہ رہ سکے اور اسیر ہوگئے۔ سر تن سے جدا کیا پھر جسد اطہر کو نیچے گرا دیا گویا نویں ذی الحجہ کو امام حسینؑ شہید ہوگئے۔ (ص ۲۸ لغایت ص ۳۰)

علامہ کنتوری مولانا سید غلام حسنین طاب ثراہ کے تاثرات

علامہ نے شہادت مسلمؑ پر جو محققانہ بحث فرمائی ہے اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے :-

(۱) حضرت مسلمؑ میں چند خصلتیں ایسی پائی جاتی تھیں جو کسی اور صحابی اور اہل بیت میں نہ تھیں۔ رسولؐ نے ان کے حق میں فرمایا کہ مسلمؑ فرزند عقیلؑ میرے فرزند حسینؑ کی محبت میں قتل کیا جائے گا۔ جو مومن میری اُمت میں ہیں ان کی آنکھیں مسلمؑ کی مصیبت پر روئیں گی اور ملائکہ حضرت مسلمؑ پر درود بھیجیں گے یا یہ معنی ہیں کہ ان کے جنازے پر نماز پڑھیں گے۔ لفظ صلواۃ سے اگر دعا کے معنی لیئے جائیں یعنی ملائکہ درود پڑھیں گے' اس سے تو فضیلت آپ کی ثابت ہے اور اگر لفظ صلواۃ سے نماز جنازہ کے معنی مراد ہیں تو باوجود فضیلت کے یہ حدیث حضرت کی تنہائی و غریبی پر بھی دلالت کرتی ہے یعنی ایسے مقام پر تنہا شہید کیئے جائیں گے جہاں ان کے جنازے پر کوئی نماز بھی نہ پڑھے گا۔ دوست بخوف تقیہ اور دشمن براہ عداوت پس ملائکہ مقربین ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ معنی صلواۃ کے یہی مراد لیئے جائیں۔

(۲) جناب فاطمہ زہراؑ ان کی خون آلود لاش پر روئیں اور اس لاش کو جس کے اعضاء صدمہ سے ٹھوکروں کی راہ کے پتھروں سے پارہ پارہ ہو گئے تھے اپنی گود میں لیا جیسا کہ حُر بن یزید ریاحیؒ نے اس کیفیت کو خواب میں دیکھا ہے اور ماتمی کپڑے عزاداری میں حضرت مسلمؑ کے پہنے جس طرح اپنے فرزند حضرت امام حسینؑ کی تعزیت میں جناب سیدہؑ عزادار ہوئی تھیں۔

(۳) حضرت مسلمؑ کی شہادت کوفہ میں اور روانگی امامؑ کی مکہ سے یہ دونوں ایک ہی دن ہوئے۔ اب امام حسینؑ کے اس قول کی تاویل اچھی طرح ہو جاتی ہے جو آپ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ میں مکہ میں پہنچ کر عراق جانے کا

خدا سے استخارہ کروں گا اور یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے اپنے بابا کو خواب میں دیکھا ہے کہ اُن جناب نے ایک بات کی مجھ کو وصیت کی ہے جس کو میں کسی سے بیان نہ کروں گا جب تک میں اپنے نانا سے جا نہ ملوں۔ اب معلوم ہوا کہ شہادتِ مسلمؑ کی گویا مقدمہ اور تمہید تھی۔ جناب امامؑ کی شہادت کی اور کچھ دور نہیں کہ رسولؐ نے عالم رویا میں بھی وصیت کی ہو کہ جب مسلمؑ شہید ہو جائیں تو آمادہ شہادت ہونا۔

(۴) حضرت مسلمؑ کو پوری قدرت حاصل ہو گئی تھی قتل ابن زیادؔ پر۔ آپ نے بنظرِ احتیاط اسے قتل نہیں کیا۔ وہ عالم امن میں تھے۔ لڑائی میں فریب دینا شریعت میں جائز ہے اور بدون لڑائی کے بہ غفلت قتل کرنا اور بات ہے۔

(۵) جناب امیرؑ نے خواب میں آکر حضرت مسلمؑ کو ان کی خبرِ شہادت دی۔ یہ ایسی فضیلت ہے جس سے بڑھ کر آدمی کے واسطے کوئی فضیلت نہیں اس لیے کہ کافی میں حُریزؒ امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ جب کسی امامؑ کا وقت رحلت قریب آتا ہے جناب رسولِ خداؐ اس کے پاس تشریف لاتے ہیں خبر مرگ لیکر، چونکہ مسلمؑ کو امامؑ نے اپنا نائب کیا ہے اور وہ امام نہ تھے مگر نائب خاص تھے اس لیئے رسولِ خداؐ تو نہیں اُن کے وصی حضرت امیرؑ مسلمؑ کو خبر دینے آئے میں امید کرتا ہوں کہ اس (اثباتِ فضیلت) کے صلہ میں رسولِ خداؐ میری بروز حشر شفاعت کریں گے۔

حضرت مسلمؑ کو یقین تھا کہ امام حسینؑ اور ان کے اصحاب و انصار کربلا میں ضرور شہید ہوں گے اور اپنی نسبت یہ خیال تھا کہ میں کوفہ میں شہید ہوں گا تو شاید شہدائے کربلا کے مراتب کو نہ پہنچوں۔ اس آرزو میں کوفہ جانے سے مستعفی ہوئے تھے اور یہ خیال بہت درست اور بجا بھی تھا اس شبہ کے دفع کرنے کے لیئے امام حسینؑ نے اپنے آخری استغاثہ میں سب سے پہلے فرمایا ہے اے مسلم بن عقیلؑ اور ہانی بن عروہؒ (اٹھو اور میری مدد کرو) ان دونوں بزرگوں کا نام لینا شہدائے کربلا کے ساتھ اس غرض سے تھا کہ دونوں شہدائے کربلا میں داخل ہیں۔ ابن زیادؔ نے میثم تمارؓ (صحابی امیر المومنینؑ) کو کوفہ میں قتل کر دیا۔ دس روز پہلے داخلہ امام حسینؑ سے عراق میں بنا بر اس روایت کے

شہادت میثمؓ بعد شہادت مسلمؑ قرار پائی۔ مگر امامؑ نے اس استغاثہ میں میثمؓ کو نہیں پکارا۔ میثمؒ اگرچہ دوستی اہلِ بیت میں قتل ہوئے مگر ان کی شہادت کا تعلق ان خاص امور سے نہیں ہے جو شہدائے کربلاؑ سے مخصوص تھیں۔

(۷) امامؑ نے جبن کی نسبت جناب مسلمؑ کی طرف بطور اہانت کے نہیں دی بلکہ نفی کی نسبت دی اور کلام کو اس عبارت میں نہیں وارد کیا جس سے قطعاً نسبت جبن کی حضرت مسلمؑ کی طرف ثابت ہو بلکہ جبن نہ واقع ہونے کی ترجیح ثابت ہوتی ہے اور جبن واقع ہونے کا احتمال مرجوع معلوم ہوتا ہے۔ پس امامؑ کو ناگوار ہوا کہ جبن کی نسبت اپنے بھائی کی طرف بطور اثبات فرمائیں بلکہ جبن کا ذکر اس طریقہ پر کیا کہ جس سے نفی جبن کی ثابت ہوئی۔

(۸) امام حسینؑ کا یہ فرمانا کہ اے بھائی مسلمؑ تم میرے اہل بیت میں ہو۔ ہم تمہاری مصیبت کو فالِ بد نہیں سمجھ سکتے یہ کلام ان معنوں سے حضرت مسلمؑ کے کمال مرتبہ پر دلالت کرتا ہے اور ان کے مدارج کی بلندی اس سے ظاہر ہوتی ہے لازم ہے کہ مومن اس باب کو خوب غور سے دیکھے اور سمجھے۔

(منتہیٰ فی مقتل الحسینؑ)

ریگزارِ مصر میں شجاعتِ مسلمؑ کے جوہر

صفین میں میمنہ فوج کی سرداری

واقعہ کربلا میں حضرت مسلم بن عقیلؑ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے ان کی ذاتِ گرامی صحیفۂ شہادت کی بسم اللہ ہے اور ان کے عزائمؑ کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو ایمان سے معمور دل سینہ میں رکھتا ہو۔ ہم نے اس شہید اوّل کی مسلسل سوانح حیات کتابی صورت ڈیڑھ سو صفحات میں لکھ کر آج سے ۷ برس پہلے شائع کی اور اس وقت ناظرین الواعظ کی ضیافت طبع کے لیے قلم اٹھایا ہے۔ وہ کتاب مذکور

کے مستدرک کی حیثیت ہے یعنی جو کچھ لکھ چکے ہیں اس کے سوا لکھنا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مستحق مدح افراد کی ثنا وصفت انسانیت کا فرض اولین ہے اور کمال میں جو جذب قدرت نے عطا کیا ہے وہ خود مقتضی ہے کہ ستائش کرنے والے اپنی کوتاہی کا اعتراف کریں اور حق مدح ادا نہو۔ نوشیروان کا عدل، حاتم کی سخاوت، رستم کی بہادری، یوسفؑ کا حسن صدیوں سے زیر بحث ہے اور ثنا گستر یہ محسوس کرتا ہے کہ ہم نے اوصاف جمیلہ کا صحیح تعارف نہیں کیا۔

حضرت مسلمؑ اگر کسی ایک صفت کے حامل ہوتے تو مدح و ثنا کی سزاوار تھے مبدء فیاض نے ان کو صفات کمال کا مجموعہ قرار دیا ہے، حسب ونسب ذاتی خصوصیات بلند اور اعلیٰ کردار طاقت وبہادری، علم وعمل زہد وورع شہادت وہ صفتیں ہیں جو ان کے حالات زندگی کے سنہرے باب ہیں۔ اولاد کی نجابت و شرافت میں ماں باپ کی شرافت نسب کو بہت بڑا دخل ہے۔ حضرت مسلمؑ کے ماں باپ عرب کے شریف ترین خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے۔ عقیلؑ کا نام عربی ادب میں آفتاب کی طرح چمکتا ہے پیغمبر خداؐ کو ان سے بہت محبت تھی۔ قرآن حکیم نے ان کی مدح وثنا کی اور یہ دو آیتیں جن محترم اور معزز افراد کی شان میں ہیں اُن میں جناب عقیلؑ بھی ہیں۔

اخوانًا علی سرر متقابلین پ۱۴ حجر۔ ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمومنین (انفال پ۱۰)

ان دونوں آیتوں میں وہ ذات جو تائید رسولؐ سے مخصوص اور اخوت کی منزل پر ہے حضرت امیرالمومنینؑ اور عقیلؑ میں فضیلت مشترک ہے۔ دونوں بھائیوں میں (دیکھو مناقب آل ابی طالب جلد ۲ ص۱۰۸ وارجح المطالب ص۸۲)

دربار رسالتؐ میں عقیلؑ کی بڑی وقیع حیثیت تھی۔ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی رخصتی میں جب معصومۂ کونینؑ کی سواری حضرت علیؑ کے گھر کی طرف روانہ ہوئی تو عقیلؑ ساتھ ساتھ تھے۔ بنت نبیؐ کے جنازہ کی مشایعت میں جو وفادار مسلمان یکجا تھے ان میں عقیلؑ کا نام بھی ہے۔

واقعہ کربلا سے نو دس برس پہلے ان کی وفات واقع ہو چکی تھی اور اگرچہ وہ شریک نصرت نہ تھے مگر ان کی اولاد زیادہ سے زیادہ تعداد میں کام آئی اور اولادِ عقیلؑ کے خون سے کربلا کی زمین رنگین ہوئی عقیلؑ کی روح پر واقعہ کربلا کا اثر تھا اور وہ بہشت عنبر سرشت میں بے چین تھے ان کی روحانی تکلیف کا ثبوت ہند زوجہ یزید کا خواب ہے جو بحار الانوار کی دسویں جلد میں موجود ہے ہند کے دل میں آلِ محمدؐ کی محبت تھی اور یہ مسلّم حقیقت ہے کہ وہ آسیہ صفت دشمن کے گھر میں رہ کر اس گھر کا کلمہ پڑھتی تھی اس کو واقعہ کربلا کے بعد سے خواب وخور حرام تھا۔ اس کا بیان ہے جب مجھے بستر پر نیند آ گئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ دروازہ ہائے آسمان کھل گئے ہیں اور فرشتے جوق جوق سرِ حسینؑ پر اترتے ہیں اور ان کی زبانوں پر ہے السلام علیک یا ابا عبداللہ السلام علیک یابن رسول اللہ میں اس عالم میں تھی کہ آسمان سے ایک ابر نازل ہوا اس میں بہت سے مرد جو سوار تھے اُترے اس مجمع میں ایک چاند کی طرح چمکتے ہوئے چہرے کے بزرگ بڑھے اور دوڑ کے لب و دندانِ حسینؑ کو چومنے لگے اور یہ کہتے جاتے تھے **یا ولدی قتلوک ومن شرب الماء منعوک اتراھم ماعرفوک** - اے بیٹا تجھے قتل کیا اور تجھ پر پانی بند کیا۔ انہوں نے کیا تجھے نہیں پہچانا یا ولدی انا جدک محمد المصطفیٰ وھذا ابوک علی المرتضیٰ وھذا اخوک الحسن وھذا عمک جعفر وھذا عقیل وھذا حمزۃ وھذا العباس اے فرزند میں تمہارا نانا محمد مصطفیٰؐ ہوں اور یہ تمہارے باپ علی مرتضیٰؑ اور وہ تمہارے بھائی حسنؑ اور تمہارے چچا جعفرؑ اور عقیلؑ و حمزہؑ و عباسؑ ہیں قالت ھند فانتبھت من نومی فزعتہ مرعوبۃ فاذا بنور قد اشرق علی راس الحسین فجعلت اطلب یزید وھو قد دخل الی بیت وقد ورد وجھہ الی الحائط وھو یقول مالی والحسین ۔ ہند کہتی ہے میں ڈرتی ہوئی نیند سے خوف زدہ بیدار ہوئی تو دیکھا کہ سرِ حسینؑ سے ایک نور چمک رہا ہے۔ یزید کو جو ڈھونڈا تو ایک حجرے میں یوں پایا کہ رُخ اس کا دیوار کی طرف تھا اور کہہ رہا تھا کہ مجھے کیا ہوا تھا میں نے حسینؑ کو کیوں قتل کیا۔ اس خواب سے یہ بھی واضح ہے کہ نہ صرف

روزِ جزا حضرت عقیلؑ دربارِ نبویؐ میں ہوں گے۔ آج برزخ میں بھی ان کے ساتھ ہیں۔ حضرت مسلمؑ اسی مقرب بارگاہ رسالتؐ کے چشم و چراغ تھے۔ ان کی رگ رگ میں شجاعت و بہادری، وفا و عقیدت سرایت کر چکی تھی۔ امیرالمومنین علی بن ابی طالبؑ کا وہ سایہ عطوفت اور تعلیمات جو محمد بن ابی بکرؓ کو بہادر ترین انسان بنا دیں جن کی صحبت سے مالک اشترؓ فخر روزگار بہادر سمجھے جائیں نا ممکن ہے کہ اس بزم میں جب اغیار زیورِ کمال سے آراستہ ہوں تو خاندان کے نونہال ایسے بزرگ کے سایہ میں کیا کچھ کمال حاصل نہ کریں گے۔ مسلم بن عقیلؑ فنونِ حرب و ضرب میں اس بلند مرتبہ تک پہنچ گئے جس کی کہ ان سے امید تھی اور ان کی جنگی خدمات سے خاندانِ رسالتؐ کے مخالفین نے فائدہ اٹھانا چاہا۔ ہر خلافت کو بنی ہاشم کی طرف سے اس کی علمی وسیاسی مشکلات میں برابر مدد پہنچتی رہی اور یہ تعاون صرف اس لیے تھا کہ اسلام عام نظر میں سبک نہ ہو۔ اگر مسلمانوں کے مقرر کردہ خلیفہ نے کوئی سیاسی غلطی کی تو جانشین پیغمبرؑ نے ان کو ٹوک دیا۔ اگر کسی علمی لغزش کی نوبت آئی تو خود اس عقدہ کو حل کر دیا۔ مسائل قضا یا علمی استفسارات میں شیخین کا آلِ محمدؐ سے رجوع کرنا حدِ تواتر کو پہنچ چکا ہے اور مسلمانوں کو اس زمانہ میں جو فتوحات ہوئیں اس میں بھی حضرت امیرؑ کا مشورہ شریک تھا چنانچہ مصر کی طرف فوج کشی میں دماغی مشوروں کے ساتھ ساتھ نفوس سے بھی مدد کی اور اولادِ عقیلؑ کے کئی نوجوانوں کو مسلمانوں کی فوج میں بھرتی کر کے بھیجا ان کے رجز اور جنگی خدمات تاریخوں میں موجود ہیں۔ آنحضرتؐ نے جس گرمجوشی اور ولولہ سے دائرہ اسلام کو وسعت دی اس کے دیکھنے والے کم ہیں اور ظاہر پرستا ہی کہتے ہیں کہ خلیفہ دوم کے عہد میں اسلام بہت کچھ آگے بڑھا مگر یاد رہے بالغ نظروں سے کام لینے والے گوشہ گیر حاکم کو نہیں دیکھتے، فوج کو دیکھتے ہیں جس نے کارِ نمایاں کیئے اہل سنت کے علامہ شیخ محمد بن محمد مصر، مصر میں مسلمانوں کی فتوحات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں واللہ در مسلم بن عقیل واخوتہ لقد قاتلوا قتالا شدیداً حتی کانت الدماء

علی دارعیصم کانھا اکباد الابل ۔ دکتاب قصتہ البنھسا ومافیھا من العجائب والغرائب وما وقع الصحابہ فیھا رضوان اللہ علیہم صـ۹۴ چھاپ بمبئی ۱۳۸۶ھ) قابل تبریک ہیں مسلم بن عقیل اور ان کے بھائی انہوں نے اس محاذ پر بہت ہی سخت جنگ کی ۔ ان کی زرہوں پر خون جاری ہونے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اونٹ کے جگر کے خون آلود ٹکڑے ہیں ۔

اب کون کہے کہ فتح کا سہرا کس کے سر ہے ۔ خلوص سے کام کرنے والے لاکھ چاہیں کہ ان کا نام پردۂ خفا میں رہے مگر قدرت ان کی خدمات کی نشر و اشاعت پر شور رہتا ہے اور صدائے تعجب اس طبقہ کے دہن سے نکلتی ہے جو بزعم خود مسلم بن عقیلؑ کے گھرانہ کو خلافت کا حقدار نہیں سمجھتا ۔

مصر فتح ہونے کے بعد کیا مسلمان اولاد عقیلؑ کی بہادری کو بھول گئے ہوں گے اس عظیم قربانی کے بعد کیا مسلمؑ کی ذات مسلمانوں میں محتاج تعارف ہے ؟ یہ عنفوانِ شباب کا جہاد تھا خلافت کا دوسرا اور تیسرا دور گذرا عنانِ حکومت حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے ہاتھ میں آئی اور شام کے گورنر معاویہ کی سازش سے مسلمانوں میں خانہ جنگی کا آغاز ہوا صفین و جمل و نہروان میں زبردست لڑائیاں ہوئیں جن میں لاکھوں مسلمان کام آئے ۔ ان غزوات میں اول الذکر جنگ میں پھر مسلم بن عقیلؑ کا نام نامی نظر آتا ہے ۔ فلما استہل صفر سنتہ سبع ثلثین امر علی فنودی بالشام بالاعذار والانذار ثم عبی عسکرہ فجعل علی میمنتہ الحسن والحسین وعبداللہ بن جعفر ومسلم بن عقیل وعلی میسرتہ محمد بن الحنفیہ ومحمد بن ابی بکر وھاشم بن عتبہ وعلی القلب عبد اللہ بن العباس وعباس بن ربیعہ بن الحارث والاشتر والاشعث وعلی الجناح سعد بن قیس الھمدانی وعبداللہ بن بدیل بن ورقہ الخزاعی ورفاعہ بن شداد البجلی وعدی بن حاتم وعلی الکمین عمار بن یاسر وعمرو بن الحمق وعامر بن واثلہ الکنانی وقبیصہ بن الحیا والاسدی (مناقب آل ابی طالب صـ۹۸ ج ۳ طبع بمبئی) جب صفر ۳۷ھ کا چاند ہوا اور حضرت امیرؑ کی طرف سے لشکر شام کو وعظ و نصیحت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تو آپ نے فوج کی ترتیب شروع کی میمنہ پر

دستِ راست کی طرف (اپنے فرزندان) حسنینؑ اور (داماد) عبداللہ بن جعفرؓ اور مسلمؑ بن عقیلؑ (بھتیجہ) کو مقرر کیا اور میسرہ پر بائیں ہاتھ کی طرف (دوسرے فرزند) محمد حنفیہؓ (گود کے پلے) محمد بن ابی بکرؓ اور ہاشم بن عتبہؓ کو معین کیا اور جناح لشکر پر سعد بن قیس ہمدانیؓ اور عبداللہ بن بدیل بن ورقہ خزاعیؓ اور رفاعہ بن شداد بجلیؓ اور عدی بن حاتمؓ کو تعینات کیا اور کمین گاہ میں عمار یاسرؓ عمر بن حمق خزاعیؓ اور عامر بن واثلہ کنانیؓ اور قبیصہ بن جابر اسدیؓ معین ہوئے۔ یہ ترتیب کیا امیرالمومنینؑ کی حقانیت کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ میدانِ نبرد میں اپنے گھرانے کے تمام نوجوانوں کو لے آئے۔ بیٹا، بھتیجہ، داماد، بھائی کسی کو باقی نہیں رکھا۔ ثابت ہوا کہ مسلم بن عقیلؑ ان جگر کے ٹکڑوں میں تھے جنہوں نے فرزندانِ رسولؐ حسنینؑ کے پہلو میں جگہ پائی اور صفین میں ان کے جنگی خدمات حاصل کئے۔ دشمن کی ٹڈی دل فوج کا پامردی سے مقابلہ کیا۔ یہ جوانی کا جہاد تھا جس سے شام کا بچہ بچہ واقف ہے جنگ صفین میں شرکت کے ۲۳ سال بعد واقعہ کربلا ظہور میں آیا اور اب یقیناً مسلم بن عقیلؑ کا عالم شباب نہ تھا۔ دنیائے تاریخ میں فتوحات مصر سے ان کی سیف آبدار کا تعارف ہوتا ہے۔ پھر صفین میں تلوار کے جوہر نمایاں ہوئے۔ واقعہ کربلا تک فنونِ جنگ کا تجربہ ہاتھ کی صفائی شمشیر زنی میں کمال ہونا لازم تھا۔ بنی ہاشم کے انہیں شیروں کا رہیب تھا کہ یزیدؔ نے فرزند رسولؐ پر چڑھائی سے پہلے اہالیانِ کوفہ و شام کو ہمنوا بنا لیا اور اپنے نزدیک حسینیت کے مٹا دینے کی پوری کوشش کی پھر بھی مُلبی گھرانے میں نوجوانوں کے علاوہ محمد بن حنفیہؓ، مسلم بن عقیلؑ، عون بن علیؑ، ابوالفضل العباسؑ ایسے نبرد آزما موجود ہیں جن میں کا ایک ایک بہادر ہزاروں پہلوانوں کے مقابلہ میں کافی تھا اور رحمۃ اللعالمینؐ کا پروردۂ آغوش امامؑ لاکھ چاہتا تھا کہ اُمتِ جد کے مقابلہ میں سامانِ جنگ فراہم نہ کرے مگر یہ چاروں بھائی یزیدیت کا سر کچلنے کے لئے کافی تھے اور دنیا کی تمام طاقتوں سے فرزند رسولؐ کی طاقت بڑھی ہوئی تھی اور یہ بھی ناممکن تھا کہ حسینؑ میدانِ جنگ میں قدم رکھیں۔

اور عناصر اربعہ ساتھ نہ دیں مشکل کشاؑ کے فرزند کے لیے اس صعوبت کا حل بڑا آسان تھا محمد بن حنفیہؑ ایک بھائی کو مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا مسلم بن عقیلؑ کو اپنا خصوصی نائب قرار دے کر کوفہ بھیج دیا۔ عباسؑ کو مشک و علم دے کر فرات سے پانی لانے کی خدمت تھوپی کی اور تسبیح فاطمہؑ کے دانے چار طرف بکھر گئے۔ مسلم بن عقیلؑ کے جہاد کا لطف اس وقت تھا جب ان سے فرزند رسولؐ کے سامنے شجاعت و بہادری کے جوہر ظاہر ہوتے اور بھائی کی جنگ بھائی دیکھتا افسوس ہے کہ پردیس، تنہائی، مسافرت میں بے آب و دانہ ہونا ایک اجنبی کے گھر میں مہمان رہ کر ساری رات جاگنا اور شب بیداری کا تعب، بچوں کی جدائی کا صدمہ بیعت کرنے والوں کی بے وفائی کا دکھ یہ سخت ترین مصیبتیں تھیں جو داہنے بائیں تحت و فوق عقب و روبرو سے گھیرے ہوئے تھیں اور حضرت مسلمؑ کی تلوار نصرتِ دین میں مشغول رہی ابھی تک نہ ان کا ایسا اطمینان دیکھا تھا نہ وہ شجاعت کی تصویر دیکھی۔ کوفہ کی ٹڈی دل فوج میں گھر کے پہلے حملہ میں ۱۸۰ دشمنوں کو قتل کیا۔ صبح سے عصر تک لڑتے رہے۔ تاریخ عالم میں اس جہاد کی نظیر نہیں ہے۔ محمد بن اشعث لعنہ نے ابن زیاد لعنہ کے جواب میں کہا کہ یہ گمان نہ کر کہ تو نے ہم کو کسی سبزی فروش یا کسان کی طرف جنگ کرنے بھیجا ہے ہم شیر درندہ اور خدا کی برہنہ تلوار سے لڑ رہے ہیں اور زیارت مسلم بن عقیلؑ اس بات کا اعتراف ہے کہ وہ شہدائے بدر کی منزل پر فائز ہیں اشہد انک مضیت علی ما مضی علیہ البدریون (مفاتیح الجنان) فرزند رسول الثقلینؑ کے دل پریشان کی شہادت کا غیر معمولی اثر اور بھائی کے یتیموں کی بھولی بھالی صورتیں دیکھ کر اور زیادہ مرنے والے کی یاد تازہ ہوتی تھی (الواعظ بابت ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۵۰ء)

حضرت امیرالمومنین کا ایک اشارہ

وال مولاؑ کا واعظانہ کلام اور یہ ارشاد کہ اے حارث ہمدانی کوئی مومن و کافر ایسا نہیں جو مرتے وقت مجھ کو نہ دیکھے اہل بیت سامنے رکھو اور تاریخ کی روشنی میں دیکھو ہمدان

مرکزِ ایمان اور حارث آپ کے پہلو نشین اور مخاطب تھے۔ ضرورتِ شعر میں آخری حرف کو گرا دینے کے معنی تھے کسی تقریر میں سامعین کو یہ بتائے حارث لعنہ قاتل ہے ان کے سگے بھتیجہ فرزندانِ مسلم کا اس لیے پورا نام زبان پر نہ لائے اور قاتل کو نظرانداز کیا۔

(۲) مولوی سید سخاوت حسین صاحب مرحوم بزرگ خاندانِ اجتہاد جو ایک کتب خانہ چھوڑ کر دنیا سے گئے ان کے دو فرزند مولوی کاظم حسین اور مولوی ناظم حسین صدر الافاضل کمسنی میں عبائیں پہنے ہوئے کسی راہ سے گذر رہے تھے ایک مردِ مومن نے دونوں بھائیوں کی عالمانہ وضع قطع دیکھ کر محبت سے کہا فرزندانِ مسلم ع جا رہے ہیں چھوٹے بھائی نے برجستہ کہا حارث لعنہ عقب میں ہے پھبتی کسنے والا دم بخود ہو گیا۔

آدابِ زیارت

زائرانِ نجفِ اشرف مسجدِ کوفہ کے اعمال سے فارغ ہو کر حضرت مسلم ع کی زیارت پڑھتے ہیں۔ روضہ کے قریب پہنچ کر یہ اذن پڑھنا چاہیئے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْحَقِّ الْمُبِيْنِ الْمُتَصَاغِرِ لِعَظَمَتِهٖ جَبَابِرَةُ الطَّاغِيْنَ الْمُعْتَرِفِ بِرُبُوْبِيَّتِهٖ جَمِيْعُ اَهْلِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرَضِيْنَ الْمُقِرِّ بِتَوْحِيْدِهٖ سَائِرُ الْخَلْقِ اَجْمَعِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنَامِ وَاَهْلِ بَيْتِهِ الْكِرَامِ صَلٰوةً تَقَرُّ بِهَا اَعْيُنُهُمْ وَيَرْغَمُ بِهَا اَنْفُ شَانِئِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَجْمَعِيْنَ سَلَامُ اللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَسَلَامُ مَلٰٓئِكَتِهِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَاَنْبِيَآئِهِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاَئِمَّتِهِ الْمُنْتَجَبِيْنَ وَعِبَادِهِ الصَّالِحِيْنَ وَجَمِيْعِ الشُّهَدَآءِ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالزَّاكِيَاتُ الطَّيِّبَاتُ فِيْمَا تَغْتَدِيْ وَتَرُوْحُ عَلَيْكَ يَا مُسْلِمَ بْنَ عَقِيْلِ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَقَمْتَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتَ الزَّكٰوةَ وَاَمَرْتَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَيْتَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَجَاهَدْتَ فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ وَقُتِلْتَ عَلٰى مِنْهَاجِ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ حَتّٰى لَقِيْتَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ وَ

أَشْهَدُ أَنَّكَ وَفَيْتَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَبَذَلْتَ نَفْسَكَ فِي نُصْرَةِ حُجَّةِ اللّٰهِ وَابْنِ
حُجَّتِهِ حَتّٰى أَتَاكَ الْيَقِينُ أَشْهَدُ لَكَ بِالتَّسْلِيمِ وَالْوَفَاءِ وَالنَّصِيحَةِ لِخَلَفِ
النَّبِيِّ الْمُرْسَلِ وَالسِّبْطِ الْمُنْتَجَبِ وَالدَّلِيلِ الْعَالِمِ وَالْوَصِيِّ الْمُبَلِّغِ وَالْمَظْلُومِ
الْمُهْتَضَمِ فَجَزَاكَ اللّٰهُ عَنْ رَسُولِهِ وَعَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَعَنِ الْحَسَنِ
وَالْحُسَيْنِ أَفْضَلَ الْجَزَاءِ بِمَا صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ وَأَعَنْتَ فَنِعْمَ
عُقْبَى الدَّارِ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ قَتَلَكَ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ أَمَرَ بِقَتْلِكَ وَلَعَنَ
اللّٰهُ مَنْ ظَلَمَكَ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنِ افْتَرَىٰ عَلَيْكَ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ جَهِلَ
حَقَّكَ وَاسْتَخَفَّ بِحُرْمَتِكَ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ بَايَعَكَ وَغَشَّكَ وَخَذَلَكَ
وَأَسْلَمَكَ وَمَنْ أَلَّبَ عَلَيْكَ وَلَمْ يُعِنْكَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ النَّارَ
مَثْوَاهُمْ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ أَشْهَدُ أَنَّكَ قُتِلْتَ مَظْلُوماً وَأَنَّ اللّٰهَ
مُنْجِزٌ لَكُمْ مَا وَعَدَكُمْ جِئْتُكَ زَائِراً عَارِفاً بِحَقِّكُمْ مُسَلِّماً لَكُمْ تَابِعاً لِسُنَّتِكُمْ وَ
نُصْرَتِي لَكُمْ مُعَدَّةٌ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ فَمَعَكُمْ
مَعَكُمْ لَا مَعَ عَدُوِّكُمْ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ أَرْوَاحِكُمْ وَأَجْسَادِكُمْ
وَشَاهِدِكُمْ وَغَائِبِكُمْ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ قَتَلَ اللّٰهُ أُمَّةً
قَتَلَتْكُمْ بِالْأَيْدِي وَالْأَلْسُنِ۔

یہ اذن پڑھ کر داخل ہو اور ضریح سے لپٹ کر یا بروایتے ضریح کی طرف
اشارہ کر کے یہ زیارت پڑھے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ الْمُطِيعُ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ وَ
لِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ
عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ
وَبَرَكَاتُهُ وَمَغْفِرَتُهُ وَعَلَىٰ رُوحِكَ وَبَدَنِكَ أَشْهَدُ أَنَّكَ مَضَيْتَ عَلَىٰ
مَا مَضَىٰ عَلَيْهِ الْبَدْرِيُّونَ الْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الْمُبَالِغُونَ فِي

جِهَادِ اَعْدَائِهٖ وَنُصْرَةِ اَوْلِيَائِهٖ فَجَزَاكَ اللّٰهُ اَفْضَلَ الْجَزَاءِ وَاَكْثَرَ الْجَزَاءِ وَاَوْفَرَ جَزَاءِ اَحَدٍ مِمَّنْ وَفٰى بِبَيْعَتِهٖ وَاسْتَجَابَ لَهٗ دَعْوَتَهٗ وَاَطَاعَ وُلَاةَ اَمْرِهٖ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَالَغْتَ فِي النَّصِيْحَةِ وَاَعْطَيْتَ غَايَةَ الْمَجْهُوْدِ حَتّٰى بَعَثَكَ اللّٰهُ فِي الشُّهَدَاءِ وَجَعَلَ رُوْحَكَ مَعَ اَرْوَاحِ السُّعَدَاءِ وَاَعْطَاكَ مِنْ جِنَانِهٖ اَفْسَحَهَا مَنْزِلًا وَاَفْضَلَهَا غُرَفًا وَرَفَعَ ذِكْرَكَ فِي الْعِلِّيِّيْنَ وَحَشَرَكَ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيْقًا اَشْهَدُ اَنَّكَ لَمْ تَهِنْ وَلَمْ تَنْكُلْ وَاَنَّكَ قَدْ مَضَيْتَ عَلٰى بَصِيْرَةٍ مِنْ اَمْرِكَ مُقْتَدِيًا بِالصَّالِحِيْنَ وَمُتَّبِعًا لِلنَّبِيِّيْنَ فَجَمَعَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ وَبَيْنَ رَسُوْلِهٖ وَاَوْلِيَائِهٖ فِيْ مَنَازِلِ الْمُخْبِتِيْنَ فَاِنَّهٗ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ۔

یہ زیارت پڑھ کر دو رکعت نماز سرہانے پڑھے اور حضرت مسلمؑ کی روح مبارک کو ہدیہ کرے اور یہ دعا پڑھے ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَلَا تَدَعْ لِيْ فِيْ هٰذَا الْمَكَانِ الْمُكَرَّمِ وَالْمَشْهَدِ الْمُعَظَّمِ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا مَرَضًا اِلَّا شَفَيْتَهٗ وَلَا عَيْبًا اِلَّا سَتَرْتَهٗ وَلَا رِزْقًا اِلَّا بَسَطْتَهٗ وَلَا خَوْفًا اِلَّا اٰمَنْتَهٗ وَلَا شَمْلًا اِلَّا جَمَعْتَهٗ وَلَا غَائِبًا اِلَّا حَفِظْتَهٗ وَاَدْنَيْتَهٗ وَلَا حَاجَةً مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَكَ فِيْهَا رِضًى وَلِيْ فِيْهَا صَلَاحٌ اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۔ اگر یہ زیارت وداع ہو تو مذکورہ بالا اعمال کے ساتھ یہ فقرات بھی زبان پر جاری کرے۔

اَسْتَوْدِعُكَ اللّٰهَ وَاَسْتَرْعِيْكَ وَاَقْرَءُ عَلَيْكَ السَّلَامَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَبِكِتَابِهٖ وَبِمَا جَاءَ بِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْهُ اٰخِرَ الْعَهْدِ مِنْ زِيَارَتِيْ قَبْرَ ابْنِ اَخِيْ

رَسُوْلِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَارْزُقْنِيْ زِيَارَتَهٗ اَبَدًا مَا اَبْقَيْتَنِيْ وَاحْشُرْنِيْ مَعَهٗ وَمَعَ اٰبَائِهٖ فِي الْجِنَانِ وَعَرِّفْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ وَبَيْنَ رَسُوْلِكَ وَاَوْلِيَائِكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّتَوَفَّنِيْ عَلَى الْاِيْمَانِ بِكَ وَالتَّصْدِيْقِ بِرَسُوْلِكَ وَالْوِلَايَةِ لِعَلِيِّ بْنِ اَبِيْطَالِبٍ وَالْاَئِمَّةِ مِنْ وُّلْدِهٖ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَالْبَرَائَةِ مِنْ عَدُوِّهِمْ فَاِنِّيْ قَدْ رَضِيْتُ يَا رَبِّيْ بِذٰلِكَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ ۔ اپنے اور برادرانِ مومن کے لئے دعا کرے۔

زیارت حضرت ہانیؒ

حضرت ہانیؒ کی قبر کے پاس جائے اور یہ زیارت پڑھے۔

سَلَامُ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَصَلَوَاتُهٗ عَلَيْكَ يَا هَانِيَ بْنَ عُرْوَةَ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ النَّاصِحُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اَشْهَدُ اَنَّكَ قُتِلْتَ مَظْلُوْمًا فَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ قَتَلَكَ وَاسْتَحَلَّ دَمَكَ وَحَشٰى قُبُوْرَهُمْ نَارًا اَشْهَدُ اَنَّكَ لَقِيْتَ اللّٰهَ وَهُوَ رَاضٍ عَنْكَ بِمَا فَعَلْتَ وَنَصَحْتَ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَغْتَ دَرَجَةَ الشُّهَدَاءِ وَجُعِلَ رُوْحُكَ مَعَ اَرْوَاحِ السُّعَدَاءِ بِمَا نَصَحْتَ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ مُجْتَهِدًا وَبَذَلْتَ نَفْسَكَ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ وَمَرْضَاتِهٖ فَرَحِمَكَ اللّٰهُ وَرَضِيَ عَنْكَ وَحَشَرَكَ مَعَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَجَمَعَنَا وَاِيَّاكَ مَعَهُمْ فِيْ دَارِ النَّعِيْمِ وَسَلَامٌ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ۔

پھر دو رکعت نماز پڑھے اور ہانیؒ کی روح کو اس کا ثواب ہدیہ کرے۔

(مفاتیح الجنان)

باب المراثی

مرزا فصیح علیہ الرحمۃ

لے چلے مسلمؑ کو ظالم بام پر جب بہرِ قتل — اک تزلزل قصر کے اس وقت زینہ میں ہوا
ابنِ مرجانہ نے مسلمؑ پر کیا ترکِ سلام — آشکارا فرق اشراف و کمینہ میں ہوا

دلگیر

جب سرِ بام قتلِ مسلمؑ کو — لے کے یک زادۂ حرام آیا
خوب رویا وہ اس کی غربت پر — جو کہ اس وقت زیرِ بام آیا

ضمیر

وا دریغا سر مسلمؑ کو جدا کر ڈالا — زیر بام اُن کا تنِ پاک اٹھا کر لایا

دبیر[1]

چپ بیٹھے تھے مسلمؑ وہاں صمصام کے نیچے — تھی خلق تماشے کو کھڑی بام کے نیچے

انیس

مسلمؑ سے کوفیوں نے بڑی بیوفائی کی — گاڑی نہ لاش بھی مرے مظلوم بھائی کی

انس

بھائی کے بعد زیست پہ دنیا کی خاک ہے — مسلمؑ کی بیکسی پہ جگر چاک چاک ہے

تعشق

کوٹھے پہ تہِ تیغ یہ فرماتے تھے مسلمؑ — اب نام ہے خورشیدِ لبِ بام ہمارا

عشق

شہ والا نے مسلمؑ سے کہا فردِ شہادت میں — ہمارا نام آخر ہے تمہارا نام اوّل ہے

---

[1] مرزا صاحب کا پورا مرثیہ حضرت مسلمؑ کے حال میں موجود ہے جس کا مطلع یہ ہے :-
ع کوفہ میں بہار آئی جو گلگشتِ چمن کو

وحید

قتل کرنے لائے ہیں کوٹھے پہ مسلمؑ کو لعین وقتِ آخر ہے لبِ بامِ آفتاب آنے کو ہے

کاملؔ[1]

جفا پسندوں نے یہ قدر کی نمازی کی زمینِ کوفہ پہ کھینچی ہے لاش غازی کی

آغا شاعر

راہ میں اہلِ حرم کو یہ خبر فضہؓ نے دی بیبیو مسلمؑ بھی تو مارے گئے ہانیؒ کے ساتھ

ثمرؔ لکھنوی

وفا میں فرد تھا مسلمؑ سے بے عدیل کا نام پسر کے نام سے روشن ہوا عقیلؑ کا نام

خبیرؔ

شانِ حیدرؑ سے لڑے کوفہ میں کیا کیا مسلمؑ پھر بھی وہ تین ہزار اک تن تنہا مسلمؑ

فدا علی خنجرؔ لکھنوی

اے پیش رو شہیدوں کے اے مسلمؑ غریب تیرا لہو ہے زینتِ عنوانِ کربلا

عیشؔ یاردی

لڑے مسلمؑ ہزاروں سے اکیلے شہر کوفہ میں شجاعت ناز کرتی ہے مجاہد ہو تو ایسا ہو

شیدی امیر حسین معجزؔ

یہ خبر سنتے ہی سارے اہلِ شر گھبرا گئے قتل ہانیؒ ہو گئے میداں میں مسلمؑ آ گئے

---

[1] حضرت کاملؔ نے بھی ایک مکمل مرثیہ اس حال میں چھوڑا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

ع غمِ فراقِ وطن دل کو نوکِ نشتر ہے

حضرت یکتا امروہوی کی تصنیف

"شاہنامۂ کربلا"

مطبوعہ ۱۹۴۹ء - کراچی

سے شعر و سخن سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کیلئے سیرت حضرت مسلمؑ پر یہ تاریخی مسلسل اشعار کا اقتباس ایک اچھا اضافہ ہے :۔

حضرت مسلمؑ نے حسبِ حکم شاہ دیں پناہؑ ساتھ دو بچوں کے جو کم سن تھے لی کوفے کی راہ
اور دو رہبر بھی ایسے آپ کے ہمراہ تھے راہ اور منزل سے جو اچھی طرح آگاہ تھے
سب کے سب مل جل کے کچھ دن تو سفر کرتے رہے رہبری کا کام دونوں راہبر کرتے رہے
بعد کچھ دن کے وہ دونوں شخص دھوکا کھا گئے یہ نہ سمجھے ہم کہاں جاتے کہاں پر آ گئے
راستہ بھولے تو ایسا دور جا نکلے کہیں تھی جہاں محروم پانی تک سے کوسوں تک زمیں
دور تک ڈھونڈا نہ پانی کا کہیں پایا نشاں پیاس کی شدت وہ گرمی الحفیظ والاماں
جستجو گو لاکھ کی پانی نہ کوسوں تک ملا یہ دعائیں تھیں خدا! ہم کو کہیں پانی پلا
مختصر یہ ہے تحمل پیاس کا جاتا رہا اور پانی کا تصور سب کو تڑپاتا رہا
ڈھونڈتے ہی ڈھونڈتے پانی وہ دونوں راہبر اس سفر میں کر گئے افسوس دنیا سے سفر
ان کے مرنے سے ہوئے مسلمؑ پریشان اور بھی جستجو کرتے تھے پانی کی سفر پہ غور بھی
کرتے کرتے جستجو اک گاؤں میں پانی ملا اپنے بچوں کو پلایا اور خود پانی پیا
اور دیا غسل و کفن ان رہبروں کو لوٹ کر دفن کر کے گاؤں میں داخل ہوئے بارِ دگر
لے کے دم کچھ دیر مکے کیلئے اک خط لکھا جو امام دیں حسینؑ ابن علیؑ کے نام تھا
اے امام جن و انس اے رہنمائے مومنیں اے حسینؑ ابن علیؑ اے پیشوائے مسلمیں
سوئے کوفہ ہو کے رخصت آپ سے جب ہم چلے اور ہر منزل پہ رک کر ہو کے تازہ دم چلے

راہبر جو ساتھ تھے بھٹکے کچھ ایسا راستہ   ڈھونڈنے پر بھی کسی صورت نہ پایا راستہ

ہو کے گم ہم راستہ سے اس جگہ پہنچے جہاں   لاکھ کوشش کی مگر پایا نہ پانی کا نشاں

جس طرف پہنچی نظر اک لق و دق میدان تھا   دُور تک دیکھا کہ غیر آباد تھا ویران تھا

پیاس کی شدّت سے ہم سب جاں بلب ہونے لگے   دونوں بچے ساتھ مارے پیاس کے رونے لگے

مختصر یہ ہے کہ راس آیا نہ ہم کو یہ سفر   فالِ بد ہے مر گئے دونوں وہ پیاسے راہبر

دل نہیں دیتا گواہی اس غمِ بے حد کے بعد   اور کیا آگے بڑھوں میں اس شگونِ بد کے بعد

گر اجازت ہو تو مکّہ کی طرف کو لوٹ آؤں   ایسی گرمی میں اگر کہیے تو میں کوفے نہ جاؤں

ورنہ جیسا حکم ہوگا وہ بجا لاؤں گا میں   اس پہ بھی کہیے گا تو آگے کو بڑھ جاؤں گا میں

اُف تسلّط پا لیا تدبیر پر تقدیر نے   یہ جوابِ نامۂ مسلمؑ دیا شبیرؑ نے

لکھ رہا ہوں میں یہ مسلمؑ! آپ کے خط کا جواب   اس کو پڑھ کر ہو جیئے اس پر عمل پیرا شتاب

راستہ میں پیاس سے مر جو گئے ہیں راہبر   اس سے طاری ہو گیا ہے آپ پر خوفِ سفر

واپسی کا یک بیک کیا ارادہ ہو گیا ؟   آپ کا بھی کیا شگونوں پر عقیدہ ہو گیا ؟

ہم کسی صورت شگون اور فال کے قائل نہیں   ان میں سے کچھ بھی ہماری راہ میں حائل نہیں

خود رسولِ حقؐ نے فرمایا ہے یہ کیجے یقیں   ہم ہیں اہلِ بیت! مطلق فال ہم لیتے نہیں

اور نہ دیتے ہیں کسی کو ہم اجازت فال کی   دینِ حق کے پیروؤں کو کیا ضرورت فال کی

ہے فقط اتنا ہی کافی آپ کو لکھنا مرا   میں سمجھتا ہوں کہ جب پہنچے گا یہ نامہ مرا

بے توقف آپ بڑھ جائیں گے کوفہ کی طرف   لوٹنے کو رُخ نہ فرمائیں گے مکّہ کی طرف

جلد ہی ہوں گے عمل پیرا ہدایت پر مری   فوقیت دیں گے کسی شے کو نہ حکمت پر مری

اور کریں گے کام وہ بھیجا ہے جس کے واسطے   آپ ارادہ تو کریں کھل جائیں گے سب راستے

چل دیئے کوفے کو مسلمؑ پا کے یہ حکمِ امامؑ   راہ طے کرنے میں کوفے کی لیا عجلت سے کام

جلوہ گر جا کر بعجلت یہ سرِ منزل ہوئے   شہر کوفہ آ گیا یہ شہر میں داخل ہوئے

اور کیا مختارؑ کے گھر آپ نے جا کر قیام   اہلِ کوفہ جوق جوق آنے لگے سُن سُن کے نام

داخلِ بیعت یہاں آ آ کے سب ہونے لگے
آخرت کے واسطے تخمِ عمل بونے لگے

ہو گئے کچھ دن میں بیعت کرنیوالے بیشمار
ایک سو دو سو نہیں تھے بلکہ اٹھارہ ہزار

آپ سے سب نے کیا اقرار نصرت کے لیئے
عہد سب نے دیدیا خوش خوش اطاعت کیلئے

جب یقیں برتاؤ پر مسلمؑ نے ان کے کر لیا
یہ حسینؑ ذی حشم کو خط روانہ کر دیا

اے امامِ مسلمیںؑ دینِ متیں کے راہبر
ختم کر کے آ گیا کوفہ میں میں اپنا سفر

عرض کرنا مجھ کو یہ ہے آپ سے بعد از سلام
مجھ سے واقف ہو گیا اچھی طرح کوفہ تمام

ہو رہی ہے ہاتھ پر بیعت مرے کثرت کے ساتھ
اور بیعت بھی بہت ہے عزت و حرمت کے ساتھ

اب مناسب آپ کو یہ ہے کہ خود آ جائیے
اور ہدایت آ کے اِن لوگوں کو خود فرمائیے

اہلِ بیعت جسقدر ہیں آپ کے ہیں منتظر
ہو رہے ہیں آپ کے مجھ سے بلانے پر مُصِر

لکھ رہا ہوں یہ عریضہ ان ہی کے اصرار پر
کیجیئے پڑھ کر اسے فوراً ہی آغازِ سفر

یوں تو یہ اک خط ہے میرا آپ کے جو نام ہے
ورنہ کوفے کے مسلمانوں کا یہ پیغام ہے

جس قدر بھی جلد ممکن ہو شہِ عالی مقام
اب یہاں آ جائیے رُکیئے نہ مطلق والسّلام

جب یہاں اہلِ حکومت کو ہوئی اس کی خبر
بڑھ رہا ہے حضرتِ مسلم کا کوفے پر اثر

خط یہ بے دینوں نے لکھ بھیجا یزیدِ نحس کو
حکمرانِ وقت اکیول غفلت میں ہے ہشیار ہو

اِن دنوں ہے حضرتِ مسلمؑ کا کوفے میں قیام
ہاتھ پر اپنے یہ بیعت لے رہے ہیں صبح و شام

کر رہے ہیں فوج یہ اپنی فراہم رات دن
ہو رہا ہے دیکھ کر جس کا ہمیں غم رات دن

شک نہیں یہ اطلاعِ ناگہانی ہے تجھے
فکر کر گر سلطنت اپنی بچانی ہے تجھے

شہر کوفہ ورنہ تیرے ہاتھ سے جانے کو ہے
اور تمنّا حضرتِ مسلمؑ کی بر آنے کو ہے

بھیج ایسے شخص کو جو کام کر جائے یہاں
اور مٹا دے عزمِ مسلمؑ کا ابھی نام و نشاں

طاق ہو دشمن کُشی میں تیز ہو چالاک ہو
سلطنت سے رخنہ اندازی کا قصّہ پاک ہو

جائزہ لیکر یزیدِ بد نے اِن حالات کا
مشورہ اپنے مشیروں اور وزیروں سے کیا

اور کیا سرجون رومی کی ہدایت پر عمل
باپ کے اک میر منشی کی ہدایت پر عمل

حکم بھیجا حاکمِ بصرہ عبیداللہ لعنہ کو
یعنی اک گمراہِ دیں نے دین کے اک گمراہ کو

حکمنامہ ہے یہ تیرے نام اے ابن زیاد
جانتا ہوں تجھ کو میں مجھ کو ہے تجھ پہ اعتماد

یہ یقیں ہے حکم کو میرے بجا لائے گا تو
یعنی کوفہ کی طرف فوراً چلا جائے گا تو!

میرے کوفے کے محبّوں نے مجھے دی ہے خبر
کر رہے ہیں جمع مسلمؑ ایک فوجِ پر خطر

تا کہ پڑ جائے مسلمانوں میں باہم تفرقہ
تا کہ شیرازہ بکھر جائے سرے اسلام کا

چاہیے تجھ کو لہٰذا چھوڑ کر بصرے کو جلد
ہو روانہ حکم پاتے ہی مرا کوفے کو جلد

قید کر دے جا کے تو مسلمؑ کو یا کر دے شہید
تا تجھے معلوم ہو دل میں، نام ہے میرا یزید لعنہ

حکم پاتے ہی یزیدِ نجس لعنہ کا ابن زیاد لعنہ
بد سرشت و بد طبیعت، بد نژاد و بد نہاد

مضطرب سا ہو گیا کوفے پہنچنے کے لیے
حکم سامانِ سفر کے واسطے فوراً دیے

اور کہا عملے سے یہ اپنے کہ کل کو کوچ ہے
کوئی تبدیلی نہ ہو گی حکم میں یہ بھی ہے طے

شب گزر کر سب کے سب قبلِ سحر بیدار تھے
اور کوفے کے سفر کے واسطے تیار تھے

قافلہ کوفے کی جانب کو رواں ہونے کا تھا
لا کے اک خط حاکمِ بصرہ کو منذر نے دیا

جو کہ تھا خط اہلِ بصرہ میں سے کچھ لوگوں کے نام
بھیجنے والے تھے جس کے خود حسینِ ذی مقامؑ

خط میں لکھا تھا کہ ہم ہیں وارثِ دارِ مصطفیٰ ص
ہیں وصی پیغمبرِ اعظم ص کے شاہد ہے خدا

حکمرانِ عہد نے شرعِ رسول اللہ ص کو
یعنی آئینِ خدا حکمِ شہِ ذی جاہ ص کو

صفحۂ ہستی سے بالکل ہی مٹا ڈالا ہے آج
بد عقل سے کھیلتے ہیں خوب اہلِ تخت و تاج

اہلِ بدعت سے بچو آگاہ کرتا ہوں تمہیں
واقفِ دینِ رسول اللہ ص کرتا ہوں تمہیں

تم رسولِ حق محمد ص کی شریعت پر چلو
میں امامِ وقت ہوں میری ہدایت پر چلو

منحرف ہوتے ہو اولادِ شہِ ذیشان ص سے
کچھ کبھی تو پھر سے جاتے ہو کیوں قرآن سے

منسلک گر تم رہو گے ہم سے اور قرآن سے
آخرت میں مغفرت ہو گی تمہاری شان سے

پڑھ کے اس خط کو بہت برہم ہوا ابن زیاد لعنہ
اور پوچھا نامہ بر اس کا کہاں ہے بد نہاد

نامہ بر اس خط کا فوراً سامنے لایا گیا
سامنے فوراً ہی جس کو قتل کروایا گیا

بعد اس کے قافلہ کوفے کی جانب کو چلا ۔۔۔ ساتھ بصرے سے شریک ابن الاعورؓ کو لیا
راہ میں ٹھہرا نہ پل بھر کے لئے بھی زینہار ۔۔۔ گو کہا بھی ایک اس کے ہمسفر نے بار بار
چاہتا تھا ایک پل میں اڑ کے کوفے پہنچ جائے ۔۔۔ جلد ممکن جس قدر ہو جائے مسلمؑ کو ستائے
قافلہ اس کا یونہی چلتا رہا چلتا رہا ۔۔۔ اور دل میں اشتیاق انعام کا پلتا رہا
الغرض پہنچا یہ جب کوفے تو شب کا وقت تھا ۔۔۔ شب کی تاریکی ہی میں یہ شہر میں داخل ہوا
اتفاقاً ان ہی روز و شب میں شاہ بحر و برؑ ۔۔۔ آنے والے تھے بہت تھی گرم آنے کی خبر
لوگ سمجھے آگئے کوفہ امام باوقارؑ ۔۔۔ جن کا جیسے سب کو تھا بہت ہی انتظار
بہر استقبال باہر سب گھروں سے آگئے ۔۔۔ نعرہ یا ابن رسول اللہ فضا پر چھا گئے
غلغلہ سن کر یہ شب کو نعرہ ہائے پاک کا ۔۔۔ شبہ حاکم کو ہوا ابن شہ لولاکؑ کا
بند مارے خوف کے دارالامارہ ہو گیا ۔۔۔ خوابگاہ خاص میں نعمانؓ جا کر سو گیا
لیکن اس کو جب ہوا معلوم یہ ہے ابن زیادؑ ۔۔۔ اور یہ سمجھا اس کے آنے سے تو ہے اپنا مفاد
تب نشان خسروی قلعہ کا دروازہ کھلا ۔۔۔ اور ملعون ہاتھ بڑھ کر اس کو بے دیں نے لیا
اہل کوفہ نے جب دیکھا نہیں آئے امامؑ ۔۔۔ لوٹ آئے سب گھروں کو اپنے بے نیل و مرام
شب گذر کر صبح کو ابن زیاد بد گہر ۔۔۔ تھا بہت خوش کرسئ ظلم و ستم پر بیٹھ کر
کہہ رہا تھا آئیں فوراً کل عمائد شہر کے ۔۔۔ کچھ سخن لاتے ہیں لب پر مجھ کو جبر و قہر کے
حکم ہر گوشہ میں کوفے کے یہ پہنچا جلد تر ۔۔۔ حکم سنتے ہی ہوئے حاضر شیوخ معتبر
دیکھ کر ان اہل کوفہ کو عبید اللہؑ نے ۔۔۔ دشمن دیں نے عدو حق نے اور گمراہ نے
ایسی باتیں کیں کہ جن سے خوف طاری ہو گیا ۔۔۔ ہر بشر ہوش و حواس اپنے مکمل کھو گیا
صاحب عزت تھے سب بے عزتی سے ڈر گئے ۔۔۔ چند خوف آمیز فقرے کام اپنا کر گئے
ہو گیا ہر کس بجائے خود پراگندہ خیال ۔۔۔ ہو گئے طاری ہر اک دل پہ غم و رنج و ملال
دیکھ کر وحشت زدہ ان سب کو اس تقریر سے ۔۔۔ کام چلتا دیکھ کر لعین اپنی اس تدبیر سے
حکم یہ جاری کیا ان میں سے ہر اک فرد پر ۔۔۔ فرض ہے واجب ہے تم میں سے ہر اک مرد پر

کوچہ کوچہ شہر میں ایسی کرے وہ گفتگو
ہر محلّہ میں کرے وہ یہ تلاش و جستجو

کون رکھتا ہے خیال اپنا خلافِ سلطنت
کون پھیلاتا ہے جال اپنا خلافِ سلطنت

ایسے شخصوں کی مرتّب کر کے سب فہرست دیں
سب کو چُن چُن کر یں ظاہر نہ کچھ اخفا کریں

اور کریگا جو بھی اخفائے عدوِ سلطنت
بر جو لائیگا تمنّائے عدوِ سلطنت

کچھ رعایت کی نہ جائے گی عمر ہو خواہ زید
خواہ کتنا ہی معزز ہو کیا جائیگا قید

قتل کر دوں گا اُسے کیا منحصر ہے قید پر
ظلم سے میرے وہ پھر مطلق نہ پائیگا مفر

اُس کا اک لمحہ میں کُل گھر بار لُوٹا جائیگا
جو بعید از عقل ہوں گی وہ سزائیں پائیگا

اس سے زائد اپنی میں تقریر کو دوں گا نہ طول
مجھ سے کچھ بھی رحم کی امید رکھتا ہے فضول

کُل عمائد سُن کے یہ تقریر تھرّانے لگے
آنے والے وقت کی وحشت کا غم کھانے لگے

مشفق تھے جو حکومت سے قوی دل ہو گئے
شوق سے احکامِ حاکم پر وہ عامل ہو گئے

خانۂ مختار میں مسلم کا تھا اب تک قیام
جب سُنا یہ حاکمِ ظالم کا ہے اب حکمِ عام

اور دیکھی اہلِ کوفہ کی نظر بدلی ہوئی
اپنی یہ جائے رہائش آپ نے تبدیل کی

آگئے مختار کے گھر سے یہ ہانی کے یہاں
جان کر ہانی کے گھر کو کچھ حفاظت کا مکاں

تھا شریکِ ابن الاعور کا بھی اس گھر میں قیام
اتفاقاً آ کے بگڑا ان کی صحت کا نظام

سُن کے یہ ابن زیادِ بد گُہر کہنے لگا
کل کو میں بہرِ عیادت جاؤں گا گر جا سکا

یہ خبر پا کر شریکِ ابن الاعور خوش ہوئے
قرب پا کر حضرت مسلم سے یوں کہنے لگے

کل عیادت کو مری آنے کو ہے ابن زیاد
آپ اگر چاہیں تو کر لیں اس سے کچھ حاصل مفاد

پائیں گر موقع تو فوراً قتل کر دیجئے اُسے
میں اشارہ جب کروں تو زد میں لے لیجئے اُسے

اس کا سر کر دیجئے اک وار میں تن سے جُدا
بعد اس کے جو بھی کچھ ہو گا وہ دیکھا جائے گا

صبح کو ابن زیاد آیا عیادت کے لئے
اور طبیعت پوچھنے کے واسطے لب وا کیے

دیر تک حالاتِ نو کے تذکرے کرتا رہا
دولتِ عصیاں سے دامن زیست کا بھرتا رہا

مانگ کر پانی اشارہ ابن الاعور نے کیا
حضرت مسلم نے خالی اس اشارے کو دیا

ابن الاعورؓ نے کیا مسلمؑ کا بے حد انتظار
یعنی اب کرتے ہیں اب کرتے ہیں مسلمؑ اس پہ وار

اپنے حجرے سے نہ نکلے حضرتِ مسلمؑ مگر
ہوگئے مجبور جب یہ ابن الاعورؓ دیکھ کر

صورتِ ہذیان میں وہ شعر اک پڑھنے لگے
حضرتِ مسلمؑ مگر پھر بھی نہ ٹس سے مس ہوئے

بعد کو مسلمؑ سے پوچھا کیوں نہیں حملہ کیا
کیوں بتاؤ تو سہی زندہ اسے جانے دیا

آپ نے فرمایا سمجھاؤں تمہیں کیا اے شریک
اس لیے میں نے بدل ڈالا ارادہ اے شریک

اک تو ہانیؓ نے مجھے باز اس ارادے سے رکھا
کہہ دیا گھر میں مرے یہ قتل تو ہوگا بُرا

دوسرے ہے اک حدیث ایسی رسول اللہؐ کی
وجہ لفظِ کُن حبیبِ حق شہِ ذی جاہؐ کی

جس سے ہے واضح کہ دھوکہ سے کسی کو مارنا
ہرگز او مطلق نہیں ہے شیوۂ اہلِ خُدا

الغرض اس واقعہ کے تین دن کے بعد ہی
ابن الاعورؓ کی اسی تکلیف میں رحلت ہوئی

ان دنوں ہی اک غلام ابن زیادِ نحسؔ کا
حضرتِ مسلمؑ کا دھوکے سے لگا لایا پتا

حضرتِ مسلمؑ ہیں ہانی ابن عروہؓ کے یہاں
جس جگہ کا خواب میں بھی ہو نہ سکتا تھا گماں

بیٹھ کر کچھ دیر کو ہونے لگی آپس میں رائے
کس طرح ان کی گرفتاری عمل میں لائی جائے

یہ کہا ابن زیادؔ و بدگہر نے سوچ کر
کوئی مشکل تو نہیں ان کی گرفتاری مگر

ہم کو ہانیؓ کو بھی تو اس کا چکھانا ہے مزا
کیوں یہاں اپنے مکاں میں اس نے مسلمؑ کو کیا

بعد میں ہانیؓ نہ یہ انکار کر جائے کہیں
میں نے اپنے گھر میں مسلمؑ کو چھپایا ہی نہیں

اس لیے میرے فدائی اے مرے سچے غلام
پہلے مستحکم کیا جائے وہاں ان کا قیام

بعد اس کے کام تیرا ہے اگر کر جائے تو
میرے ہاتھوں سے بہت انعام اس کا پائے تو

پیروِ آلِ محمدؐ کا تو یہاں مشہور ہے
تو ہی کر یہ کام تو اس کام پر مامور ہے

یہ تری شہرت عجب انداز سے آئی ہے کام
جانتا کوئی نہیں تجھ کو یہاں میرا غلام

میں تجھے دیتا ہوں کچھ معقول تعدادِ درہم
جلد ہانیؓ کے یہاں جا تجھ سے لے کر یہ رقم

سب سے پہلے جا کے تو ہانی بن عروہ سے مل
اور یہ کہہ نامہ بری پیشہ ہے میرا مستقل

آ رہا ہوں میں حسینؑ ابن علیؑ کے پاس سے
دین کے والی امامِ متقیؑ کے پاس سے

مجھ کو بھیجا ہے انہوں نے لیکے کچھ دام و درم — اور کہا ہے مجھ سے اپنی جان کی لے کر قسم
جا کے تو مسلمؑ سے مل ہانی بن عروہؓ کے گھر — اور رقم خود ہاتھ میں دینا یہ ان کے جانچ کر
اور کچھ دینا کہا ہے یہ رقم ہے لیجئے — جس جگہ بھی ہو ضرورت صرف اس کو کیجئے
جب کہے گا تو یہ ہانیؓ سے تو وہ بے اختیار — تجھ کو نامہ بر سمجھ کر تجھ پہ کر کے اعتبار
سارا قصہ ان کے چھپنے کا سنا دے گا تجھے — حضرت مسلمؑ سے فوراً ہی ملا دے گا تجھے
اس کا کہنا اور ملا دینا سند ہو جائے گا — پھر نہ وہ اس امر سے انکار کرنے پائے گا
تاکہ ہانیؓ ہی کی پہلے میں گرفتاری کروں — بعد کو مسلم پہ میں حملہ کی تیاری کروں
سن کے معقل نے کہا جو حکم سو بر لاؤں گا — خانۂ ہانیؓ پہ مسلمؑ کی رقم لے جاؤں گا
کہہ کے یہ عیار سوئے خانۂ ہانیؓ چلا — دشمن جانیٔ اہل دین ربانی چلا
اور ملا ہانیؓ سے جا کر اس ہی چالاکی کے ساتھ — بے جھجک بے خوف عیاری و بیباکی کے ساتھ
اور جو کچھ بھی کیا تھا طے وہی اس نے کیا — جتنا دے سکتا تھا جُل ہانیؓ کو اس نے جُل دیا
نیک دل ہانیؓ خوش اطوار دھوکا کھا گئے — آدمی ہی تھے فریب شیطنت میں آ گئے
جا ملایا اس کو فوراً مسلمؑ دیندار سے — مل لیے مسلمؑ خوشی سے معقل مکار سے
مل کے معقل حضرت مسلمؑ سے لوٹا شاد شاد — منتظر بیٹھا ہی تھا اس کا ادھر ابن زیاد لعنہ
سن کے کل احوال معقل سے بہت ہی خوش ہوا — ایک انعام گراں قیمت اسے فوراً دیا
آدمی اک خدمت ہانیؓ میں پھر بھیجا گیا — جس نے جا کر ہانیؓ بے دست و پا سے یہ کہا
حاکم دوراں نے نظروں پر چڑھایا ہے تجھے — چل ابھی دارالامارہ میں بلایا ہے تجھے
سن کے یہ دارالامارہ کی طرف ہانیؓ چلے — صید بے بس ہو کے سوئے دشمن جانی چلے
داخل دارالامارہ ہانیؓ بے کس ہوئے — پھنس کے اس کے جال میں لاچار اور بے بس ہوئے
مبتلائے غم بلا کر ناگہانی کر دیا — بند ان کو جیل میں تا حکم ثانی کر دیا
حضرت مسلمؑ نے ہانی کی گرفتاری سنی — حکمران نو کی چالاکی و عیاری سنی
سن کے ان کو یہ خبر بے حد ہی رنج و غم ہوا — ظلم بے جا پر مزاج ان کا بہت برہم ہوا

تابِ ضبط ان کو رہی باقی نہ روپوشی کا ہوش — خانۂ ہانیؓ سے باہر آ گئے ہمّت بدوش
کچھ قبائل سے کیا لشکر فراہم اک کثیر — اور خود اس لشکرِ بسیار کے بن کر امیر
جا چڑھے دارالامارہ پر قطار اندر قطار — ایک پل میں کر لیا دارالامارہ کا حصار
دیکھ کر اندازِ یہ ابنِ زیادِ بدخصال — ہو گیا وحشت زدہ و خوف خوردہ پُر ملال
کیونکہ اس کے پاس تھی اسوقت معمولی سپاہ — گر مقابل آ کے ہوتا ان سے ہو جاتا تباہ
تھے علاوہ مختصر سی فوج کے تھوڑے غلام — کچھ شیوخِ اہلِ کوفہ کا تھا صحبت میں قیام
اس حصارِ پُر خطر سے جو نکل سکتے نہ تھے — چاہتے ٹلنا بھی تو اس وقت ٹل سکتے نہ تھے
دیکھ کر بیٹھا ہوا پاس ان شیوخِ شہر کو — کام میں لا کر وہ بس اندازِ جبر و قہر کو
کر گیا ابنِ زیادؔ اس وقت دانائی کمال — چل گیا جو چلنے والی تھی سیاست خیز چال
ان شیوخِ شہرِ کوفہ میں سے جو تھے معتبر — ڈال کر کچھ اپنی سطوت کا مزید ان پر اثر
ایسے آڑے وقت میں اپنے یہ کام ان سے لیا — چور دروازہ محل کا کھول کر باہر کیا
اور کہا تم جلد کے ان انصارِ مسلمؑ سے کہو — حضرتِ مسلم ہیں باغی تم نہ ان کا ساتھ دو
جس قدر بڑھ جا سکو بھڑکاؤ مسلم کے خلاف — اور کہو ان سے کہ تم ہو جاؤ مسلم کے خلاف
ہو کے باغی ساتھ میں مسلم کے تم پچھتاؤ گے — آؤ گے منہ پر حکومت کے تو منہ کی کھاؤ گے
وہ شیوخِ شہرِ کوفہ آ گئے بیرونِ محل — سیکڑوں انسان برہم پائے بیرونِ محل
اِسی طرف تو ان کو بھڑکایا شیوخِ شہر نے — اُس طرف اس حاکمِ کوفہ کے جبر و قہر نے
سارے سرداروں کو بالائی چھتوں پر بھیج کر — ایسی تقریریں کرائیں چھا گیا خوف و خطر
اک کثیر ابنِ شہاب ان میں بڑا سردار تھا — صاحبِ تیغ و سناں تھا صاحبِ گفتار تھا
چڑھ کے چھت پر اس نے یہ دارالامارہ کی کہا — اہلِ کوفہ کچھ بتاؤ تو یہ تم کرتے ہو کیا
خیریت اس ہی میں ہے اپنے گھروں میں چھپ رہو — ہو چکا تک اس بغاوت میں ذرا حصہ نہ لو
مفت میں ڈالو نہ خطرے میں تم اپنی جان کو — ایک باغی کے بجائے لاؤ نہ تم فرمان کو
کچھ نہ ہوگا اس سے حاصل کچھ نہ اس سے پاؤ گے — گیہوؤں کے ساتھ تم گھن کی طرح پس جاؤ گے

آنے والی ہے تمہارے سر پہ اب فوجِ مزید
دیکھ سکتی ہے تمہیں اس طرح کب چشمِ یزید

خود سمجھ لو اس کی ہوگا فوج کا انداز کیا
سوچ لو اب بھی نہیں آتے ہو تم باز کیا

کھا کے بیٹھا ہے قسم ابنِ زیاد خوش سیر
تم اگر اس وقت جاؤ گے نہ اپنے اپنے گھر

ضبط کر کے کل وظائف اور جاگیریں تمام
جس قدر جنگ آزما ہیں فوج ہائے ملکِ شام

قتل بیگاری کے تم کو اُن میں بھیجا جائے گا
بھیج کر تم کو تمہارے گھر کو لوٹا جائے گا

حاضر و غائب میں بھی مطلق نہ ہوگا امتیاز
جان اور عزت اگر پیاری ہے تو آجاؤ باز

یہ صدائیں بجلیاں بن کر سماعت پر گریں
حضرت مسلمؑ کی گویا اس جماعت پر گریں

چھوڑ کر میداں گھروں کو اپنے سب جانے لگے
صاحبانِ دل کے دل پہلو میں گھبرانے لگے

بیٹیاں نکلیں گھروں سے اور پدر کو لے گئیں
مادریں آئیں خوشامد سے پسر کو لے گئیں

خوف چھایا سب پہ یہ گر لشکرِ شام آگیا
یہ سمجھ لو موت کا بس اپنی پیغام آگیا

الغرض کل لشکرِ مسلمؑ پریشاں ہوگیا
دم کے دم میں صاف ہمدردوں سے میداں ہوگیا

جب اُٹھے مسلمؑ ادا کرنے کو مغرب کی نماز
تیس کل انفاس تھے جن پر وہ کر سکتے تھے ناز

بعد کو وہ تیس بھی نظروں سے غائب ہوگئے
اور مسلمؑ مبتلائے صد مصائب ہوگئے

رہ گئے بالکل ہی جب تنہا تو گھبرائے بہت
وسوسے دل میں کھڑے ہوکر وہاں لائے بہت

سوچتے تھے اب کہاں جائیں کہاں پائیں پناہ
خانۂ طوعہؒ پہ پہنچی دفعتاً ان کی نگاہ

شب بسر کرنے کی اس نے دی اجازت آپ کو
ایک نعمت تھی وہ طوعہؒ کی عنایت آپ کو

اُس طرف ابنِ زیادِ بد کو پہنچی یہ خبر
ختم بالکل ہوگئے مسلمؑ کے سارے کرّ و فر

منتشر سب لشکرِ انصار اُن کا ہوگیا
جاگ اٹھی قسمت مری اُن کا مقدر سوگیا

سُن کے یہ قصرِ امارت سے نکل کر آگیا
شہرِ کوفہ کے زمین و آسماں پہ چھا گیا

گوشے گوشے میں کرا دی یہ منادی شہر کے
کوفیو! منڈلا رہے ہیں سر پہ بادل قہر کے

کُل شیوخ و اہلِ کوفہ، اہلِ لشکر، پاسباں
مسجدِ جامع میں آئیں اور سنیں میرا بیاں

جمع سب مسجد میں آکر اہلِ کوفہ ہوگئے
خانۂ دیں پر مسلّط اہلِ دنیا ہوگئے

یہ کیا ابنِ زیادِ نحس لعین نے اعلانِ عام
حاکمِ جابر ہوں، ہے میرا عبید اللہ نام

حکم دیدیتا ہوں جو بھی میں وہ ہوتا ہے اٹل
اس کی کچھ ہوتی ہے رد اسکا نہ کچھ ہوتا ہے حل

یہ کیے دیتا ہوں سُن لو آج میں اعلانِ عام
شک نہیں اس میں ذرا مطلق نہیں اسمیں کلام

حضرتِ مسلم ؑ ہیں باغی ان کو جو دیگا پناہ
قتل میں اس کو کرا دوں گا نہ مانگوں گا گواہ

بعد کو میں عذر اُسکا کوئی سُننے کا نہیں
کہہ رہا ہوں صاف میں تم سے کرو میرا یقیں

بس یہی کہنا تھا تم لوگوں سے جا سکتے ہو تم
بلکہ مسلم کو پکڑ لاؤ جو لا سکتے ہو تم

اس کا میں بے انتہا انعام بخشوں گا تمہیں
دے سکوں گا جس قدر جاگیر دیدوں گا تمہیں

پھر ہوا دارالامارہ میں طلب ابنِ نمیر لعین
جس نے پوچھا حکم میرے واسطے کیا ہے امیر

اُس سے یہ بولا کہ تو ہے کوتوالِ ہوشمند
حکم ہے میرا کہ فوراً شہر کے ناکے ہوں بند

اور پھر ہو ایک اک گھر کی تلاشی جب یہ
تاکہ آسانی لگانے میں ہو مسلم کا پتہ

جلد تر اُن کو پکڑ کر لاؤ میرے سامنے
اس سے پہلے کچھ بھی ہو مت آؤ میرے سامنے

کوتوالِ شہر کو مطلق نہیں مشکل یہ کام
ورنہ چھن جائے گا تجھ سے کوتوالی کا نظام

پھر عمر ابنِ حریث لعین آیا طلب کردہ یہاں
اور ملا اس کو بعد تعجیل یہ حکمِ گراں

حکم یہ تجھ کو دیا جاتا ہے سُن لے اے عمر
فوج کی بھرتی یہاں تو کھول دے دل کھول کر

فوج جتنی جمع ہو جائے اُسے تو کم سمجھ
ورنہ نظمِ حکومت درہم و برہم سمجھ

اس کے یہ احکام سُنتے ہی عمل ہونے لگا
سلطنت کا عقدۂ دشوار حل ہونے لگا

صبح کو فرزندِ طوعہ نے خبر یہ آکے دی
شب سے مسلم کو چھپا رکھا ہے مادر نے مری

یہ خبر سنتے ہی خنداں ہو گیا ابنِ زیاد لعین
اس خوشی میں رقص سا کرنے لگا وہ بدنہاد

اور دو شخصوں سے یہ بولا کہ جاؤ اسکے ساتھ
اور سپاہی جس قدر چاہو وہ لے لو اپنے ساتھ

دیر اک پل کی لگاؤ تم نہ اب اس کام میں
لاؤ مسلم کو پکڑ کر جلد میرے دام میں

جو بھی تم انعام مانگو گے وہ بخشوں گا تمہیں
یعنی منہ مانگی مرادیں آج میں دوں گا تمہیں

حضرت مسلمؑ نمازِ صبح میں مصروف تھے
تین سو بے دین گرفتاری کو ان کی آ چڑھے

آپ نے فوراً ادا فرمائی دو رکعت نماز
حق و باطل کا نمایاں ہو رہا تھا امتیاز

پھر بعد عجلت سجے ہتھیار حضرتؑ نے تمام
آ کے باہر آپ نے دیکھا ہیں تیغیں بے نیام

دیکھتے ہی آپ کو سب آپ کی جانب بڑھے
اس طرف بھی حضرتِ مسلمؑ کے کچھ تیور چڑھے

آپ پر مل کر لیا یک سب نے حملہ کر دیا
آپ نے بھی تیغِ جوہر دار کو عریاں کیا

جنگ آپس میں پھر ان کے دوبدو ہونے لگی
سخت تر تیغ آزمائی روبرو ہونے لگی

منکرینِ دینِ حق سے بڑھ کے آپ ایسا لڑے
پشت کی جانب کو اپنے سب کو رُخ کرنے پڑے

ڈیڑھ سو بے دین تہِ شمشیرِ مسلمؑ ہو گئے
حشر تک کے واسطے مقتل میں آ کر سو گئے

سر پہ رکھ کر پاؤں بھاگ گئے تھے جو باقی ڈیڑھ سو
آپ نے فرمایا کیوں بھاگے؟ ذرا ٹھہرو۔ رکو

سُن کے یہ ابنِ زیادؔ بد گہر گھبرا گیا
دل میں کیا چاہا تھا اس نے اور کیا ظاہر ہوا

بعد اس کے اور بھیجے پانچ سو اس نے سوار
ان میں بھی مسلمؑ نے ڈالا بڑھ کے ایسا انتشار

ہو گئے ان میں سے کچھ تو ڈر کے میداں سے فرار
کچھ ہوئے آ کر مقابل، تیغِ مسلمؑ کا شکار

رہ گئے باقی سپاہی صرف گنتی کے پچاس
دیکھ کر یہ ابنِ اشعثؔ کو ہوا بیحد ہراس

حاکمِ کوفہ سے جا کر پھر کمک مانگی گئی
ابنِ اشعثؔ کی مگر درخواست یہ خالی گئی

کہہ دیا امدادِ فوجی کا نہ مطلق نام لے
اب تو کچھ چالاکی و دھوکہ دہی سے کام لے

ابنِ اشعثؔ سُن کے یہ سردارِ کوفہ کا جواب
حضرتِ مسلمؑ کے پاس آیا کیا ان سے خطاب

آپ اب بالکل نہ گھبرائیں خدا اس کا گواہ
آپ کو اب ہم بحکمِ خاص دیتے ہیں پناہ

آپ نے فرمایا بس خاموش ہو تو اے لعین
مجھ کو تجھ جیسوں کے حکمِ خاص کی حاجت نہیں

حضرتِ مسلمؑ کا یہ سُن کر جوابِ تند و تیز
ابنِ اشعثؔ ہو گیا حضرت پہ بیحد خشم ریز

پتھروں سے بچا کے پھر اک سمت سے حملہ کیا
آپ کا جس سے تنِ اطہر بہت زخمی ہوا

دفعتاً پیشانیٔ اقدس پہ اک پتھر لگا
خون میں تر جس کے باعث کُل رُخِ انور ہوا

سر سے پا تک ہوگئے آپ اسقدر زخموں سے چور
ہوگئی طاقت بھی کم، گھٹنے لگا آنکھوں کا نور

بیٹھنا ہی پڑ گیا لگ کر ذرا دیوار سے
کوئی گوشہ بھی مگر خالی نہ تھا اغیار سے

گھر سے نکلا دیکھ کر یہ صاحب خانہ بکیر لعیں
اس نے پھینکے آپ کی جانب نہ پتھر اور نہ تیر

بلکہ آکر دفعتاً تلوار سے حملہ کیا
جس سے زخمی آپ کا فوراً لب بالا ہوا

اسی حالت اور کمزوری میں اُٹھ کر آپ نے
کاٹ کر سر اس کا پھینکا دس قدم پہ آپ نے

اور آ بیٹھے وہیں پر زخم خوردہ غم گسار
زخم اتنے تھے نہ آتا تھا کسی پہلو قرار

اس پہ پیاس اتنی زباں تھی خشک اور دل تھا کباب
کم تھا گر ہر زخم سے آتی صدا اے آب آب

آپ نے ہر دشمن دیں سے کیا پانی طلب
آپکو پانی پلا دیتے؟ وہ اہل دل تھے کب

تشنگی سے آپ کی بلکہ اٹھایا فائدہ
یعنی مل کر سب نے پھر یک بارگی حملہ کیا

آپ نے اس خستگی میں بھی دیا اسکا جواب
اور جواب لاجواب ایسا نہ لائی جس کی تاب

کچھ کو مارا کچھ لعینوں کو بھگایا آپ نے
ہاں نہ چھوڑا جس کو اپنی زد پہ پایا آپ نے

اور طلب پانی لعینوں سے کیا بار دگر
ایک نے دو گھونٹ پانی لا دیا کچھ سوچ کر

آپ نے چاہا کہ پئیں پانی، مگر پانی کا جام
ہوگیا بیکار فوراً بھر گیا خوں سے تمام

جھک کے دیکھا تھا کہ خون آلود پانی ہوگیا
حملہ اک اُسی سمت سے پھر ناگہانی ہوگیا

آ کے مارا پشت سے نیزہ کسی بے دین نے
بے اصولی جنگ کی برتی یہ سب آئین نے

آپ اس نیزے کے صدمہ سے زمیں پہ آ رہے
دشمن دیں دیکھ کر یہ آگئے ہر سمت سے

بے کسی کی زد میں آکر زندگی گھبرا گئی
ہوگئے بے بس گرفتاری عمل میں آگئی

ظالموں کو ورغلایا خواہش انعام نے
لے گئے ابن زیاد لعیں بد گہر کے سامنے

دیکھ کر اس طرح زخمی دیکھ کر یوں خستہ حال
حضرت مسلمؑ سے سختی سے کیا اس نے سوال

کیوں خروج آکر کیا تھا تم نے شاہ وقت پر
اُس کی شان خسروی پر کیا نہ پہنچی تھی نظر

آپ نے فرمایا نا ہنجار بکتا کیا ہے تو؟
کس کو شاہ وقت میرے سامنے کہتا ہے تو

صرف اب دنیا میں شاہِ دین و دنیا ہیں حسینؑ — تاج و تختِ دینِ احمدؐ کے خلیفہ ہیں حسینؑ
میں نے جو کچھ بھی کہا حکم شہِ دینؑ سے کیا — مر رہا ہوں اُن پہ میں ان کی ہی الفت میں جیا
حضرتِ مسلمؑ کی کر کے گفتگو کو ناپسند — غیظ میں آ کر وہ یوں بولا بآوازِ بلند
ہے کوئی تم میں؟ جو لیجائے انہیں بالائے بام — اور کرے اک وار میں اِن کا وہاں قصّہ تمام
یہ سخن سُنتے ہی فوراً بول اٹھا ابنِ بکیرِ لعیں — حکم شاہی کے بجالانے کو ہے حاضر حقیر
لے چلا وہ حضرتِ مسلمؑ کو ظالم سُوئے بام — ہر قدم پہ آپ کچھ فرماتے جاتے تھے کلام
جا کے اوپر آپ نے مکّہ کی جانب رُخ کیا — اور شہِ دینؑ کو مخاطب کر کے یہ رو کر کہا
السّلام اے یاورِ دینِ محمدؐ السّلام — السلام اے شاہِ برحق اے حُسینِ ذی مقامؑ
آرزو یہ تھی کہ کر لیتا زیارت آپ کی — دیکھ لیتا اور میں اک بار صورت آپ کی
آرزو میری مگر پوری یہ ہو سکتی نہیں — کیونکہ بعد اک لحظہ کے ہے موت میری بالیقیں
بعد اس کے ہاتھ پھیلائے دُعا کے واسطے — لب پہ بھی الفاظ کچھ آئے دُعا کے واسطے
پھر کہا قاتل سے جاہل جا کے اب انعام کر — دیر کیا ہے ہاں اٹھا تلوار اپنا کام کر

ہو کے خوش اس نے اٹھائی آپ پر تیغِ دو دم
کر دیا اک وار میں تن سے سرِ اقدس قلم

قطعۂ تاریخ

طبع دویم سوانح حضرت مسلم بن عقیل علیہ السّلام

حضرت آغا سروش لکھنوی

جنسِ گراں عمل کی رکھتی ہے اپنی قیمت — دنیا میں اجر وقعت عقبیٰ میں قصرِ جنّت
آلِ نبی کے در سے جس نے بھی پائی عزّت — قسمت سے بن گیا وہ پیغمبرِ مودّت
جانبازیاں دکھائیں ہر کوہ و دشت و در میں — سربازیوں سے اپنی کی جان دے کے خدمت
ہر کوفہ و مدینہ آماجگہ ہے اب بھی — قربانیوں سے ان کی قائم ہے اب بھی عظمت
نشر و اشاعتِ دیں کب ہے جہاد سے کم — انکے لیئے ہے جنکو غم کے بیاں پہ قدرت
اب کربلا نہیں ہے حالاتِ کربلا ہیں — اِن واقعاتِ غم کے لکھنے کی ہے ضرورت
اس کی مصیبتوں کی مسلمؑ سے ابتدا ہے — آغاز کی مصیبت انجام کی مصیبت
اہلِ عزا کی آنکھیں نم ہونگی اسکو پڑھ کر — تحریرِ حالِ مسلمؑ بھی دین کی ہے خدمت
انمول موتیوں کو لیتے ہیں مول جی سے — ایسی حسینیوں کو مولا سے ہے عقیدت

جنّت میں فاطمہؑ کی بخشش کے مستحق ہیں
حیدر علی نے چھاپی مدحِ شہیدِ غربت

۱۹۷۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یَا صَاحِبَ الْعَصْرِ وَالزَّمَانْ اَلْمَدَدْ

قسم خدا کی بڑا نیک کام کرتے ہیں
غمِ حسینؑ کا جو اہتمام کرتے ہیں

نام کتاب

حسینؑ حسینؑ

مرتبہ و مؤلفہ

محمد وصی خاں

شخصیتِ امام عالیمقام پر حیرت انگیز معلوماتی تحقیقی بے مثال۔ مضامین کا نایاب مجموعہ جس کو پہلی بار اس کتاب میں یکجا کیا گیا ہے۔ ہزاروں سال کی محنت، ہزاروں سال کا نچوڑ اور ہزاروں روپیہ کی کتابوں سے حاصل کیا ہوا مواد ____

ناشر
رحمت اللہ بک ایجنسی
بالمقابل بڑا امام بارگاہ کھارادر، کراچی ۷۴۰۰۰
فون 2431577

حسینؑ
شہید
حسینؑ
شہید
حسینؑ
شہید
حسینؑ
شہید
حسینؑ
شہید
حسینؑ
شہید
حسینؑ

حسینؑ
شہید
حسینؑ
شہید
حسینؑ
شہید
حسینؑ
شہید
حسینؑ
شہید
حسینؑ
شہید
حسینؑ